ادب عالیہ

یعنی

جذبات فطرت

مرتبہ

محمد الیاس برنی

جلد سوم

زیر نگرانی

مسلم احمد نظامی۔ ایم اے

کتب خانہ نذیریہ۔ مسلم منزل۔ کھاری باؤلی، دہلی

قیمت عہ

انڈیا لیتھو پریس دہلی ۱
پہاڑی بھوجلہ

جذبات فطرت

جلد سوم

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے، اور اس کے تحت مضامین حسب ذیل درج ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادب عالیہ

جلد سوم

۱۔ میر تقی میر

میر درو ہے. سُنئے شعر زبانی اس کی — اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی
ایک ہے عہد میں اپنے وہ پراگندہ مزاج — اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اس کی
مینہ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے — اسی انداز سے تھی اشک فشانی اس کی
بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جادو تھا — پر ملی خاک میں کیا سحر بیانی اس کی
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دیئے لوگوں کو — شہر دلی میں ہے سب پاس نشانی اس کی

اب گئے اس کے جز افسوس نہیں کچھ حاصل
حیف صد حیف کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی

میر

۲. کلام میر

شاعر نہیں جو دیکھا تو تو ہے کوئی ساحر
دو چار شعر پڑھ کر سب کو رِجھا گیا ہے

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں

ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کریں
چاہیے اہلِ سخن میر کو استاد کریں

گفتگو ریختہ میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے

سر سبز ہند ہی میں نہیں کچھ یہ ریختہ
ہے دھوم میرے شعر کی سارے دکن کی بیچ

کچھ ہند ہی میں میر نہیں لوگ جیب چاک
ہے میرے ریختوں کا دِوانا دکن تمام

اگرچہ گوشہ نشیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ
پہ میرے شعر نے روئے زمیں تمام لیا
کسو کی بات نے آگے مرے نہ پایا رنگ
دلوں میں نقش ہے میری سخن طرازی کا

جانیکا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

اسرار دل کے کہتے ہیں پیر و جوان میں
مطلق نہیں ہے بند ہماری زبان میں

ہے میر عجب کوئی درویش برشتہ دل
بات اس کی سنو تم تو چھاتی ہی جلن جاوے

ہیں گھاؤ دل پر اپنے تیغ زباں سے سب کی
تب درد ہے ہمارے اے میر ہر سخن میں

مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا
پڑھتے کسی کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہووے گا
درد آگیں انداز کی باتیں اکثر پڑھ پڑھ روے گا

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میرؔ بھی تھا

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میرؔ نہیں

غالبؔ

۳۔ فسانۂ میرؔ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردہ سے انسان نکلتے ہیں

یہ میرؔ ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا انداز سخن کا سبب شور و فغاں تھا

جادو کی پڑی پرچۂ ابیات تھا اس کا منھ تکتے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا

جس راہ سے وہ دل زدہ دلی میں نکلتا ساتھ اس کے قیامت کا ہنگامہ چلا تھا

افسردہ نہ تھا ایسا کہ جوں آب زدہ خاک
آندھی تھا بلا تھا کوئی آشوب جہاں تھا

پھر اس صورت احوال ہر یک کو دکھایاں مروت قحط ہے آنکھیں نہیں کوئی ملاتا یاں

خرابہ دلی کا وہ چند بہتر لکھنؤ سے تھا
وہیں میں کاش مر جاتا سراسیمہ نہ آتا یاں

اب تو افسردگی ہی ہے ہر آں
وے نہ ہم ہیں نہ وے زمانے ہیں

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

اٹھ گئے پر مت تکیہ کے کہیں گئے یاں میر
درد دل بیٹھے کہانی سی کہا کرتے تھے

ان اجڑی ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ہے جی میں وہیں جا بسیں ویرانہ جہاں ہو

وحشت ہے خردمندوں کی صحبت سے مجھے میر
اب جا رہوں گا واں کوئی دیوانہ جہاں ہو

کوئی دن کرے معیشت جا کسو کامل کے پاس
ناقصوں میں رہئے کیا ہے صاحب دل کے پاس

اے میر شعر کہنا کیا ہے کمال انساں
یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آ گیا ہے

ہو کوئی بادشاہ کوئی یاں وزیر ہو
اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو

میر کیا ہے فقیر مستغنی
آوے اس پاس بادشاہ تو کیا

صحبت کسو سے رکھنے کا اس کو نہ تھا دماغ
تھا میر بیدماغ کو بھی کیا بلا دماغ

باتیں کرے برشتگی دل کی پھر کہاں
کرتا ہے اس دماغ جلے کا وفا دماغ

دو حرف زیر لب کہے پھر ہو گیا خموش
یعنی کہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ

مشہور ہیں عالم میں تو کیا ہیں بھی کہیں ہم
القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

بیہوش مے عشق ہوں کیا میرا بھروسہ
آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا
جا چکا ہوں جہان سے کب کا

جنوں نے تماشا بنایا ہمیں
رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں
سدا ہم تو کھوئے گئے سے رہے
کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں

زور طبیعت اس کا نے اشتیاق تھا
آیا نظر جو میرؔ تو کچھ ناتواں سا ہے

کی زیارت میرؔ کی ہم نے بھی کل
لاؤ بالی سا ہے پر کمال ہے یاں

وحشت ہے بہت میرؔ کو مل آیئے چل کر
کیا جانئے پھر پایاں سے گئے کب ہو ملاقات

ملنے والو پھر ملے گا ہے وہ عالم دیگر میں
میرؔ فقیر کو سکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب
بے خودی پر نہ میرؔ کی جاؤ
تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

مسکن جہاں تھا دل زدہ مسکیں کا ہم تو واں
کل دیر میر میر پکارے نہیں ہے اب

مرتے ہیں میرؔ سب پہ نہ اس بے کسی کے ساتھ
ماتم میں تیرے کوئی نہ رویا پکار کر

تربت میرؔ پر ہیں اہل سخن
ہر طرف حرف ہے حکایت ہے
تو بھی تقریب فاتحہ سے چل
بخدا واجب الزیارت ہے

میر

٭

۴۔ بیکلی

نہ دماغ ہے کہ کسو سے ہم کریں گفتگو غمِ یار میں
نہ فراغ ہے کہ فقیروں سے ملیں جا کے دلّی دیار میں

نہ چمن میں جاتے رہا ہے دل نہ بنوں میں پھرتے لگا ہے دل
وہی بے کلی رہی جان کو، رہے سیر میں کہ شکار میں

کسے کون صیدِ رمیدہ سے کہ اِدھر بھی پھر کے نظر کرے
کہ نقاب اُلٹے سوار ہے ترے پیچھے کوئی غبار میں

جھکی کچھ کہ جی میں چھپی سبھی، ہلی ٹک کہ دل میں کھبی سبھی
یہ جو لاگ پلکوں میں اس کے ہے نہ چھری میں ہے نہ کٹار میں

کوئی شعلہ ہے کہ شرارہ ہے، کہ ہوا ہے یہ کہ ستارہ ہے
یہی دل جو لے کے گڑیں گے ہم تو لگے گی آگ مزار میں

میر

۵۔ گدازِ الفت

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

جو رہے یوں ہی غم کے مارے ہم
تو یہی آج کل سدھارے ہم
مرتے رہتے تھے اس پہ یوں پر اب
جا لگے گور کے کنارے ہم

دن گذرتا ہے دم شماری میں شب کو رہتے ہیں گنتے تارے ہم

میر آؤ گے آپ میں بھی کبھو

سخت مشتاق ہیں تمہارے ہم

وہ دل نہیں رہا ہے نہ اب وہ دماغ ہے جی تن میں اپنے بجھتا سا کوئی چراغ ہے

مدت ہوئی کہ زانو سے اٹھتا نہیں ہے سر کڑھنے سے رات دن کے ہمیں کب فراغ ہے

دیکھئے کیا ہو سانحہ تنگ احوال ہمارا ابتر ہے دل اپنا تو بجھا سا دیا ہے جان چراغ مقرر ہے

خاطر اپنی اتنی پریشان آنکھیں پھریں ہیں اس بن حیراں

تم نے کہا دل چاہے تو بیٹھو دل کیا جانے کیدھر ہے

میر

۶۔ سرد مہری روزگار

مدت رہا تھا ساتھ جنوں کے خراب حال دانستہ ان سبھوں نے کیا مجھ کو پائمال

آخر کو آیا مجھ میں انھوں میں نپٹ ملال یہ زندگی سہل ہوئی جان کی وبال

اس جمع میں کسو کو نہ پایا میں دستیار

عرصہ تھا مجھ پہ تنگ اٹھا ہو کے نیم جاں پوچھا نہ مجھ کو یک لب نان بھی کنھوں نے یاں

کم پائی پر بھی سیر کیا میں نے سب جہاں آشفتہ خاطری نے پھرایا کہاں کہاں

برسوں کا راز مجھ سے ہوا آخر آشکار

پرداخت میری ہو نہ سکی اک امیر سے
عقدہ کھلا نہ دل کا دعائے فقیر سے
فتنے ہمیشہ آتے رہے سر پہ تیر سے
ہر چند التجا کی صغیر و کبیر سے
لیکن ہوا نہ رفع مرے دل کا اضطرار

در پر ہر ایک دنی کے سماجت مری گئی
نالائقوں سے ملنے لیاقت مری گئی
کیا مفت ہائے شان شرافت مری گئی
ایسا پچھڑا یا ان نے کہ طاقت مری گئی
مشہور شہر اب ہوں سبکسار و بے وقار

کن نے کی اپنے حال شفقت سے یک نگاہ
نکلی ہے کیسے طور پر اپنی سخن کی راہ
بولا نہ کوئی ہم سے کہ تم کیوں ہوئے تباہ
اسلوب اپنے جینے کا ہو کس طرح سے آہ
ہم ایک ناتواں و ضعیف اور غم ہزار

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ
دل سوزش درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ
ہے نام مجلسوں میں مرا میر بے دماغ
از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

میر

۷۔ شکایت زمانہ

خوشا حال اس کا جو معدوم ہے
کہ احوال اپنا تو معلوم ہے
رہیں جانِ غمناک کو کاہشیں
گئیں دل سے نومید سو خواہشیں
زمانے نے رکھا مجھے متصل
پراگندہ روزی پراگندہ دل

زمانے نے آوارہ چاہا مجھے
مری بے کسی نے نباہا مجھے
رفیقوں سے دیکھی بہت کوتہی
غریبی نے اک عمر کی ہمسری
مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا
غریبانہ چندے بسر لے گیا
بندھا اس طرح آہ بارِ سفر
کہ نے زادِ راہ کچھ نہ یارِ سفر
چلا اکبر آباد سے جس گھڑی
در و بام پر چشمِ حسرت پڑی
کہ ترکِ وطن پہلے کیوں کر کروں
مگر ہر قدم دل کو پتھر کروں

دلِ مضطرب اشکِ حسرت ہوا
جگر رخصتانے میں رخصت ہوا

میر

۸۔ خلقِ خدا ملکِ خدا

اب یاں سے ہم اٹھ جائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا
ہرگز نہ ایدھر آئیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

مطلب اگر یاں گم ہوا اندیشہ کی جا کہ نہیں
جا کر کہیں کچھ پائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

دل ہیں نہ جانے یہ کوئی ہم کھانے کو دیں ہیں انھیں
جو ہے مقدر کھائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

گو لکھنؤ ویراں ہوا ہم اور آبادی میں جا
مقسوم اپنا لائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

اس بستی سے اٹھ جائیں گے درویشوں کی کیا مشوتِ
وہ بھی یہی فرمائیں گے، خلق خدا ملک خدا

تو میر ہو وے گا جہاں امرِ فضل کے تابعاں
روزی تجھے پہنچائیں گے خلق خدا ملک خدا

میر

۹۔ شکایت حاسد

سنیو اے اہلِ سخن بعد از سلام
چھیڑتا ہے مجھ کو اک تخمِ حرام

شاعری کو میری ہو گے جانتے
تم چنانچہ سب مجھے ہو مانتے

میں ہمیشہ سے رہا ہوں باوقار
کن دلوں تھا ہجو کا کن اشعار

گر کنھوں نے کچھ کہا میں چپ رہا
ہجو اس کی ہو گئی اس کا کہا

کیا ہوا اگر چاند پر پھینکے ہیں خاک
پڑتی ہے جا اُن سب کے منہ پر ہیں ہو ہلاک

تھا تحمل مجھ کو میں درویش تھا
دردمند و عاشق و دلریش تھا

پر کروں کیا لاعلاجی سے ہے اب
غصے کے مارے چڑھی ہی مجھ کو تپ

رہیو شاہد کچھ نہیں میرا گناہ
مدعی ہیچ ہے یہ روسیاہ

دشمنی تھی اس کو مجھ سے کیا ضرور
حیف ایسی عقل لعنت ایسے شعور

بے سبب سرگرم کیں ہم سے ہوا
مستحقِ لعنتِ عالم ہوا

رشک شہرت سے مرے مرنے لگا — میری عزت کا حسد کرنے لگا

لگ گئی چپ اس کو میرے شور سے — یہ نہ سمجھا ہے خدا کی اور سے

ہوں جو میں پرتو فگن تو ہے یہ گیا — خور کے آگے ذرہ کب ٹھیرا رہا

یاں زبردستوں کو دعوی کھا گیا — یہ چھپا رستم کہاں سے آگیا

خون دل آشام ہیں جو صبح و شام — وے بھی لیتے ہیں ادب سے میرا نام

کیا کمی ہے یہ جو عزت کم کرے — گو نہ شیطان سجدہ آدم کرے

کرتی ہے تعظیم میری کائنات — لعنت اس پر ہوتی ہی دن اور رات

ہے گی شخصیت خدا کی اور سے — ہاتھ کب لاوے گی بزرگی زور سے

سارے عالم میں ہوں ہیں چھایا ہوا — مستند ہے میرا فرمایا ہوا

یہ قبول خاطر و لطف سخن — دے ہے کب سب کو خدائے ذوالمنن

ایک دو ہی ہوتے ہیں خوش طرز طور
اب چنانچہ میر و مرزا کا ہے دور

میر

۱۰۔ ظاہرداری

آشنا میرے بھی پرانے تھے — یں ہوے، یکجم اک ٹھکانے تھے

یار تھے دوست تھے یگانے تھے — صحبتیں تھیں ہم زمانے تھے

روز و شب ہمدگر تھے قال و مقال

اب شہ مختار کے ہوئے مختار ان پہ ٹھیرا ہے سلطنت کا مدار
وہی اس عہد میں ہیں کاربرار اس طرف سے مرا ہوا جو گزار
نکلے سُن نام بہر استقبال

جب ملاقات درمیاں آئی دستخطی فرد میں نے دکھلائی
لے کے میری تشفی فرمائی پھر نفر پاس اپنے رکھوائی
اور لگے کہنے رکھیے استقلال

فرد نواب کو دکھاؤں گا حال صاحب کا سب جتاؤنگا
ہے مقدر تو کرہی لاؤں گا لے کے دفتر میں آپ جاؤنگا
آگے میرے کسے سخن کی مجال

قدر والا ہماری ہے معلوم خلق خادم ہے اور تم مخدوم
اس سعادت سے جو رہے محروم ہے یقینی کہ وہ الاغ ہے شوم
حشر کو ہو گا مرکب دجال

تم بنی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام ہے غلامی ہماری اپنا کام
تم کو سید جانتے ہیں انام تم سبھوں کے ہو پیشوا و امام
تم سے سب کو نجات کا ہی سوال

بارے رخصت کیا بصد اعزاز اور کہا تم ہو خلق میں ممتاز
ہے تمنا کہ تم سے ہوں دمساز دل ہمارا ہو کاش محو نیاز
کریئے تم پر نثار جان و مال

شیخ نے کر سلوک حد سے زیاد — قید اندوہ سے کیا آزاد
دی بھلا روزگار کی بیداد — جانِ غمکش ہوئی نہایت شاد
کم ہوا کوئی روز سر سے وبال

پھر جو دو دن میں میں گیا ان پاس — شیخ جی نکلے ایک اشر الناس
سادہ تعظیم و خلق نے وہ پاس — بولے کچھ زیر لب اُداس اُداس
رہ گیا چپ میں دیکھ کر یہ حال

پھر نہیں بد دماغ جب پایا — سر گیا نیچے یعنی شرمایا
جب خجالت سے کچھ نہ بن آیا — تب بہانا صداع کا لایا
پھر یہ بولا کہ کیوں ہے چہرہ لال

میں کہا وجہ ہے، کہا کہیے — بس کہا جو کب تلک سہیے
چند پامالِ چرخِ کج رہیے — جی میں ہے اب لگائیے پہیے
تا کہ گردوں کی کچھ ہو سیدھی چال

تھی جو تم سے توقع یاری — سو تو آئی ظہور میں ساری
ہوئی جو فرد دستخطی جاری — تو بھی یہ دن جو ایسے ہی بھاری
کاتتا یک طرف فقیر شال

دستخطی فرد کا سنا جب نام — کہنے لاگا کہ اب قریب ہی شام
بیٹھنے کا ہوا ہے وقت تمام — پھر کسی روز کیجیے گا کلام
اب تو میرے نہیں حواس بجال

۱۱۔ شکایتِ بدعہدی

اے جھوٹ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے ۔۔۔ شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے

اے جھوٹ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے ۔۔۔ اے جھوٹ تو غضب ہی قیامت ہی قہر ہے

اے جھوٹ تیرے شہر میں ہیں تابعین سبھی ۔۔۔ مر جائے کیوں نہ کوئی دے سچ بولیں نے کبھی

کہنے سے آج ان کی کوئی دل نہ شاد ہو ۔۔۔ فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو

وعدے گھڑی کے پہروں کے سب آزما چکے ۔۔۔ برسوں تک انتظار کیا جی ہی جا چکے

مشکل حصول کام ہے یاں حاصل کلام ۔۔۔ باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام

اے جھوٹ دل مرا بھی بہت دردناک ہے ۔۔۔ ان کا دلوں سے صبح جیب چاک ہے

یک فرد دستخطی تھا مری ایک شخص پاس ۔۔۔ دیکھا جو خوب اس کو تو مطلق نہیں ہی یاس

تھا میں فقیر پر نہ گیا شاہ کے حضور ۔۔۔ اتنے لئے کہ رتبۂ عزت مرا ہے دور

آدابِ سلطنت سے نہیں مجھ کو رابطہ ۔۔۔ حرکت نہ ہوئے مجھ سے کوئی غیرضابطہ

صحبت خدا ہی جانے پڑے کیسی اتفاق ۔۔۔ کیا بات آوے بیچ میں بے ڈھنگی ہے شاق

میں مضطرب گھر اس کے گیا اٹھ کے پانچ بار ۔۔۔ کہنے لگا زباں سے یہ ہوتے ہیں وہ دو چار

تقصیر میری اس میں نہ کریگا کچھ خیال ۔۔۔ صاحب کہیں خموشی کروں ہیں یہ کیا مجال

لیکن یہ حرف اس بھی سیہ رو کا رکھئے یاد ۔۔۔ انداز سے یہ لوگ سخن کرتے ہیں زیاد

بہتیری ایسی فردیں یہ رکھتے ہیں جیب میں ۔۔۔ رکھتے ہیں یونہیں لوگوں کو برسوں فریب میں

دکھلاؤں گا چلا ہوں سوال آپ کا لئے
میں نے کہا فقیر کہو کس طرح جئے

پر لانہ ہوگا سعی میں ایدھر سے کچھ قصور
پھر دیکھیئے کہ پردے سے کرتا ہے کیا ظہور

ایک آدھ ایسی بات بنا کر کھسک گیا
دل اس خبر کے سننے سے میرا دھڑک گیا

کے عرضیاں حضور کو بھیجیں ہیں صبح و شام
دستخط جو ہو کے آئی کوئی سو اسی کے نام

یعنی جواب ان کے کچھ دیوے گا شتاب
دل جمع رکھیں کلب کو کرتے ہیں اضطراب

دو چار بار آیا بھی وہ پر نہ کچھ ہوا
مجھ کو جو اضطرار تھا میں بے اجل موا

مدت مدید گزری مجھے کرتے انتظار
خجلت ہوئی جو حال لکھا میں نے بار بار

اس فرد دستخطی کو ہے یہ ماہ ہفتمیں
تنخواہ کا نہیں ہے ٹھکانا ابھی کہیں

آیا جو وہ لطیفۂ غیبی اب اپنے گھر
میں مضطرب ہو آپ گیا ملنے اس کے گھر

باہر سے نہ اتفاق ہوا یہ کہ ہو ملاپ
کھویا تھا اضطرار سے عز و وقار آپ

گھر آکے ایک بھائی کو بھیجا پیام دے
آئے وے ان کے پاس میں یہ کچھ جواب لے

حضرت سے کہیو پہلے بہت بندگی مری
پھر کہیو اب اترتی ہے شرمندگی مری

دو چار دن میں بھیجے گا کچھ گھر ہی آپ کے
در پے نہ اتنے ہو جیے میرے ملاپ کے

تب سے وے بھائی جاتے ہیں ہر روز صبح و شام
اب تک تو ملتوی ہے زبانہ زر دے کا کام

برسوں ہوئے مہینوں کے وعدے ہوئے وعید
سچ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ان جھوٹوں سے بعید

میر

۱۲۔ مذمتِ خزانچی

ایک عمدہ کے ہاں ہے اہل کار — فوج کے لوگوں کا سب اس پہ مدار
سو یہ بڑچودا ایسا خوش اقرار — کہے ہر ایک کو دینے سو سو بار
پھر نہ دے جز فریب تا وہ سال

جب سے یہ ہے محررِ دفتر — تب سے ہنگامہ ہی رہا اکثر
ہو وے پرچھا جو دے کسو کو زر — سو یہ پٹی پڑھا نہیں ہے لچر
سب سے اس کو ہے ایک جنگ و جدال

لات کی ہے گہ ٹہلیوں سے — ڈھول جھکڑ ہے گاہ چیلوں سے
کم نہیں ہے کچہری میلوں سے — آتے جاتے ہیں لوگ ریلوں سے
نکلے ہے تیغ کھڑکے ہے واں ڈھال

سہل ساجی کو بھی سمجھ کے فقیر — رکھنے وعدوں ہی میں لگا ہے پھیر
یہ نجانا نہیں ہے اس کی نظیر — اس کو جانیں ہیں بادشاہ و وزیر
دور تک پہنچے گی یہ قیل و قال

اس کی خاطر کہیں گے خرد و کلاں — سعی اس میں کریں گے علمائے جہاں
دوست اسکو رکھیں ہیں پیر و جواں — لے گا منت علی محمد خاں
رکھنا ان پیسوں کا ہے کس کی مجال

آپ نواب سن کے اس کا نام　　کہے گا دو یہ پیسے جلد تمام
یاں نہ زنہار کیجو صبح و شام　　ہو نہ ایسا کہ پائے طول کلام
ایک سے دس روپے ہیں کچھ بھی حلال

ہوتا اشرف تو یہ تہہ پاتا　　کاہے کو اپنے پرچے اٹھواتا
سو جولاہوں سے اس کی تئیں ناتا　　کبھو بیچے تھا بڑھیا کا کاتا
کبھو ہوتا تھا سوت کا دلّال

اب ترقی ہوئی وکیل ہوا　　ایک عمدہ کے گھر دخیل ہوا
فوج کے لوگوں کا کفیل ہوا　　مجھ سے اڑ کر عبث ذلیل ہوا
جہل پر اس کے ہے یہ حجت دال

لے جو کچھ اس سے ایسا ویسا ہو　　ورنہ کیا دخل کوئی کیسا ہو
کہتا ہوں دوں جو پاس پیسا ہو　　ہوتے جو دے نہ ایسا تیسا ہو
خلق ناحق ہے میرے جی کو وبال

یوں تو سو بار آؤ جاؤ گے　　پیسے تدریج ہی سے پاؤ گے
اور اس پر بھی جو ستاؤ گے　　اپنے پیسوں سے ہاتھ اٹھاؤ گے
بوجھ میں اپنے سر سے دوں گا ٹال

کام جو توں کے میں چلاتا ہوں　　سو بھی سو سو دکاں پہ جاتا تھا
قرض کچھ بن گیا تو لاتا ہوں　　جیسا میں نے کیا ہے پاتا ہوں
متصدی گری ہے یا جنجال

باز آتا نہیں ہے نفسِ شوم
ورنہ کس سے اٹھے ہے ایسی دھوم

ہر سحر روزہ والوں کا ہے ہجوم
ہے تمہیں حال یاں کا کیا معلوم

تم تو سونٹا لیے کرو ہو سوال

ایک دن جا کیا نغیر نے شور
ان نے دیکھا نہ مطلق اس کی اور

ہے غرض صحبت اپنی اس کی زور
وہ تو مچھر کی جھول کا ہے چور

میں بھی کھینچوں گا خوب اس کی کھال

بد زبانی نہیں ہے اتنی خوب
بات اچھی نہیں ہے بے اسلوب

گفتگو اس طرح کی ہے معیوب
مل رہے گا جو کچھ کہ ہے مطلوب

بس قلم اب زبان اپنی سنبھال

میر

۱۳۔ شکایاتِ الفت

یا ساتھ غیر کے ہے تمہیں ایسی بات چیت
سو سو طرح کے لطف ہیں اک اک سخن کے بیچ

یا پاس میرے لگتی ہے چپ ایسی آن کر
گویا زبان نہیں ہے تمہارے دہن کے بیچ

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

ایسے وحشی کہاں ہیں اے خوباں
میرؔ کو تم عبث اداس کیا

رات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چپکے
جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

اتنا کہا نہ تم نے ہم سے کبھو کہ آؤ
کاہے کو یوں کھڑے ہو وحشی سے بیٹھ جاؤ

ناچار ہو رخصت جو منگا بھیجی تو بولا
میں کیا کروں جو میر جی جاتے ہیں سدھاریں

آئے ہیں میر منہ کو بنائے خفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ اس بیوفا سے آج

ہر گھڑی رنجش ایسی باتوں سے
کوئی اخلاص پیار رہتا ہے

دماغ ناز برداری نہیں ہے کم دماغی سے
کہاں تک ہر گھڑی کے روٹھے کو پھر مناؤنگا

جاتی نہیں اٹھائی یہ اب سر گرانیاں
مقدور تک تو اپنے گئے ٹال ٹال ہم

اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو
جاتی نہیں ہے مجھ سے کسو کی اٹھائی بات

خشونت بدسلوکی خشمگینی کس لئے اتنی
نہ منہ کو پھیرئے پھر یاں نہ آؤں گا جو جاؤنگا

اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں
ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے

غصے سے اٹھ چلے ہو تو دامن کو جھاڑ کر
جاتے رہیں گے ہم بھی گریبان پھاڑ کر

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو۔ یہ بستی اجاڑ کر

جھوٹے بھی پوچھتے نہیں ٹک حال آن کر
انجان اتنے کیوں ہوئے جاتے ہو جان کر

کہتے نہ تھے کہ جان سے جاتے رہیں گے ہم
اچھا نہیں ہے آنہ ہمیں امتحان کر

وے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کئے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

افسانے ما و من کے سنیں میر کب تلک
چل اب کہ سوویں منہ پہ دوپٹے کو تان کر

اے شور قیامت ہم سوتے ہی نہ رہ جاویں
اس راہ سے نکلے تو ہم کو بھی جگا جانا

میر

۱۴۔ غالب

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خانِ غالب مرد

بلبلِ ہند مر گیا ہیہات   جس کی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ داں، نکتہ سنج، نکتہ شناس   پاک دل، پاک ذات، پاک صفات
شیخ اور بذلہ سنج، شوخ مزاج   رند اور مرجعِ کرام و ثقات
لاکھ مضمون اور اس کا ایک ٹھٹول   سو تکلیف اور اس کی سیدھی بات
دل میں چبھتا تھا وہ اگر بے شل   دن کو کہتا دن اور رات کو رات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا   قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
تھیں تو دلی میں اسکی باتیں تھیں   لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات
اس کے مرنے سے مر گئی دلّی   خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یہاں اگر بزم تھی تو اسکی بزم   یہاں اگر ذات تھی تو اسکی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

دل کو باتیں جب اسکی یاد آئیں   کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
کس کو جا کر سنائیں شعر و غزل   کس سے دادِ سخنوری پائیں

مرثیہ اس کو کہتے ہیں احباب — کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں — اہل میت جنازہ ٹھیرائیں
لائیں گے پھر کہاں سے غالبؔ کو — سوئے مدفن ابھی نہ لے جائیں
اسکو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح — اہل انصاف غور فرمائیں
قدسی و صائب و اسیر و کلیم — لوگ جو چاہیں ان کو ٹھیرائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے — ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

غالبؔ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

نثر حسن و جمال کی صورت — نظم غنج و دلال کی صورت
قال اس کا وہ آئینہ صورت — نظر آتی تھی حال کی صورت
تہنیت اک نشاط کی تصویر — تعزیت اک ملال کی صورت
اس کی توجیہہ سے بگڑتی تھی — شکل امکاں محال کی صورت
اس کی تاویل سے بدلتی تھی — رنگ ہجراں وصال کی صورت
لطف آغاز سے دکھاتا تھا — سخن اس کا مآل کی صورت
چشم دوراں سے آج چھپتی ہے — انوری و کمال کی صورت
لوح امکاں سے آج مٹتی ہے — علم و فضل و کمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے — غالب بے مثال کی صورت

حق نے بخشی تھی ایک چیز ہمیں
یاد آئے گا یہ عزیز ہمیں

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج
چشم اعدا بھی اشکبار ہے آج

نازشِ خلق کا محل نہ رہا
رحلتِ فخرِ روزگار ہے آج

تھا زمانہ میں ایک رنگیں طبع
رخصت موسم بہار ہے آج

بار احباب جو اٹھاتا تھا
دوشِ احباب پر سوار ہے آج

تھی ہر اک بات نیشتر جس کی
اس کی چپ سے جگر فگار ہے آج

دل میں مدت سے تھی خلش جس کی
وہی برچھی جگر کے پار ہے آج

دل مضطر کو کون دے تسکین
ماتمِ یارِ غمگسار ہے آج

کس کو لاتے ہیں بہر دفن کہ قبر
ہمہ تن چشم انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دل ناشاد
کس سے خالی ہوا جہاں آباد

مایۂ نازشِ جہاں نہ رہا
باعث کین آسماں نہ رہا

ساتھ اس کے گئی بہارِ سخن
اب کچھ اندیشۂ خزاں نہ رہا

ہوا ایک ایک کارواں سالار
کوئی سالارِ کارواں نہ رہا

رونقِ حسن تھا بیاں اس کا
گرم بازارِ گلرخاں نہ رہا

ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں
گل و بلبل کا ترجماں نہ رہا

اہلِ ہند اب کریں گے کس پر ناز   رشکِ شیراز و اصفہاں نہ رہا
کوئی ویسا نظر نہیں آتا   وہ زمین اور وہ آسماں نہ رہا

اٹھ گیا تھا جو مایہ دارِ سخن
کس کو ٹھیرائیں اب مدارِ سخن

کیا ہے وہ جس میں سر و کار نہ تھا   اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
شاعری کا کیا حق اس نے ادا   پر کوئی اس کا حق گزار نہ تھا
بے صلہ مدح و شعر بے تحسین   سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا
نہ رسائل تھی جان تک لیکن   درخورِ ہمت اقتدار نہ تھا
ملکِ دولت سے بہرہ ور نہ ہوا   جان دینے پہ اختیار نہ تھا
خاکساروں سے خاکساری تھی   سر بلندوں سے انکسار نہ تھا
لب پر احباب سے بھی تھا نہ گلا   دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا
بے ریائی تھی زہد کے بدلے   زہد اس کا اگر شعار نہ تھا
ایسی پیدا کہاں ہیں مست خراب   ہم نے مانا کہ ہوشیار نہ تھا

مظہرِ شانِ حسنِ فطرت تھا
معنیٔ لفظِ آدمیت تھا

کچھ نہیں فرق باغ و زنداں میں   آج بلبل نہیں گلستاں میں
شہر سارا بنا ہے بیتِ حزن   ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں

ملک یکسر ہوا ہے بے آئیں — اک فلاطوں نہیں جو یوناں میں

ختم تھی اک زباں پہ شیرینی — ڈھونڈتے کیا ہو سیب و رُماں میں

حصر تھی اک زباں پہ رنگینی — کیا دھرا ہے عقیق و مرجاں میں

لبِ جادو بیاں ہوا خاموش — گوشِ گل وا ہے کیوں گلستاں میں

گوشِ معنی شنو ہوا بیکار — مرغ کیوں نغمہ زن ہے بستاں میں

وہ گیا جس سے بزم روشن تھی — شمع جلتی ہے کیوں شبستاں میں

ماہ کامل میں آگئی ظلمت
آبِ حیواں پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پائیگا اب کون — سکہ اپنا بٹھائے گا اب کون

ہم نے جانی ہے اس سے قدر سلف — ان پہ ایماں لائے گا اب کون

اس نے سب کو بھلا دیا دل سے — اس کو دل سے بھلائیگا اب کون

تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش — وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون

اس سے ملنے کو یاں ہم آئے تھے — جاکے دلی سے آئیگا اب کون

مر گیا قدر دانِ فہمِ سخن — شعر ہم کو سنائے گا اب کون

مر گیا تشنۂ مذاقِ کلام — ہم کو گھر سے بلائے گا اب کون

تھا بساطِ سخن میں اک شاطر — ہم کو چالیں بتائے گا اب کون

شعر میں ناتمام ہے حالی
غزل اس کی بنائیگا اب کون

حالی

۱۵۔ معذرت

(نواب زینت محل کے بیٹے مرزا جواں بخت کی شادی کے موقع پر بیگم کے

ایما سے غالب مرحوم نے ایک سہرا کہا۔ جس کا مقطع یہ تھا ؎

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

جب سہرے کو ملاحظہ فرمایا تو مقطع کو دیکھ کر سراج الدین بہادر کو خیال

بلکہ ملال ہوا۔ ذوق مرحوم نے حسب فرمائش حضور، اس کے جواب میں ایک سہرا

کہا جس کا مقطع یہ تھا۔ ؎

جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو ان کو
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

مرزا بڑے اداشناس تھے۔ سمجھے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا اور اس خیال

میں یہ قطعہ لکھ کر حضور میں گزرانا۔ جو بہت مقبول ہوا۔)

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون اور ریختہ ۔ ہاں اس سے مدعا
جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

رُوئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

غالب

١٦۔ عرضداشت

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ
اے جہاندارِ آفتاب آثار

تھا میں اک بینوائے گوشہ نشیں
تھا میں اک دردمند سینہ فگار

تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمیٔ بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز
روشناسِ ثوابت و سیار

گرچہ از روئے ننگِ بے ہنری
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
بادشہ کا غلامِ کارگزار

خانہ زاد اور مرید اور مداح
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر — نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں — مدعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں — ذوقِ آرائشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر — تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش — جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال — کچھ بنایا نہیں ہے اب کے بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ — بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انسان — دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی — وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار
میری تنخواہ جو مقرر ہے — اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض — اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آج مجھ سا نہیں زمانے میں — شاعرِ نغز گوئے و خوش گفتار
رزم کی داستان گر سنیئے — ہے زباں میری تیغِ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجئے — ہے قلم میرا ابرِ گوہر بار

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار

میری تنخواہ کیجئے ماہ بماہ
تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

غالب

۱۷۔ گزارش

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احترام
فرمانروائے کشورِ پنجاب کو سلام

حق گو و حق پرست و حق اندیش و حق شناس
نوابِ مستطاب امیرِ شہِ احتشام

جم رتبہ میکلوڈ بہادر کہ وقت رزم
ترکِ فلک کے ہاتھ سے وہ چھین لیں حسام

جس بزم میں کہ ہو انہیں آئینِ مے کشی
واں آسمان شیشہ ہے آفتاب جام

چاہا تھا میں نے تم کو مہِ چاردہ کہوں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام

دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عز و جاہ رہے گا علی الدوام

سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
دریائے نور ہے فلکِ آبگینہ فام

میری سُنو کہ آج تم اس سرزمین پر — حق کے تفضلات سے ہو مرجعِ انام

اخبار جو دیکھا نہ یہ میری نظر پڑی — تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کلام

ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر — کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام

وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آ گئی ہے کلیجہ لیا ہے تھام

تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرھویں — استادہ ہو گئے لبِ دریا پہ جب خیام

اس بزمِ پرفروغ میں اس تیرہ بخت کو — نمبر ملا نشست میں از روئے اہتمام

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم — نمبر رہا، نہ نذر، نہ خلعت کا انتظام

سمجھا اسے گر آب ہوا پاش پاش دل — دربار میں جو مجھ پہ چلی چشمکِ عوام

ستر برس کی عمر میں یہ داغِ جانگداز
جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام

عزت پہ اہلِ نام کی ہستی کی ہے بنا — عزت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام

تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر — اس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب — تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا اژدہام

اس کشمکش میں آپ کا مداحِ دردمند — آقائے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام

جو واں نہ کہہ سکا تھا وہ لکھا حضور کو
دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام

ملک و سپہ نہو تو نہو کچھ ضرر نہیں
سلطانِ بر و بحر کے در کا ہوں غلام

وکٹوریہ کا دہر میں جو مدح خواں ہو
شاہانِ عصر چاہیے لیں عزت اس سے وام

خود ہی تدارک اس کا گورنمنٹ کو ضرور
بے وجہ کیوں ذلیل ہو غالب ہے جس کا نام

امر جدید کا تو نہیں ہے مجھے سوال
بارے قدیم قاعدہ کا چاہیے قیام

ہے بندہ کو اعادۂ عزت کی آرزو
چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام

دستورِ فنِ شعر یہی ہے قدیم سے
یعنی دعا پہ مدح کو کرتے ہیں اختتام

ہے یہ دُعا کہ زیرِ نگیں آپ کے رہے
اقلیم ہند و سندھ سے تا ملکِ روم و شام

غالب

۱۸- میر درد

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں، پہ سایۂ قدِ خمیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

یہ چاہتی ہے تو تپشِ دل کہ بعد مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غم زدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

درد

۱۹- مرزا سودا

نے بلبلِ چمن نہ گُلِ نو دمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں

گریاں بشکلِ شیشہ و خندہ بطرزِ جام
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

کوئی جو پوچھتا ہو کہ کس پر ہو دادخواہ
جوں گُل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

کس سے کروں میں دعویٰ دل جا کے اے خدا
دل دادۂ زلف رخ دلبر ندیدہ ہوں

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقولِ درد
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

سودا

۲۰- قصیدہ گوئی

مشکل بہت ہے امرِ قناعت جہاں کے بیچ
لے کے زمیں سے چرخ کے باشندگاں تلک

تھا مجھ کو رات گنجِ قناعت میں فکرِ شعر
ناگہ طمع کو حرص نے جنبش دی یہاں تلک

گزرا وہیں یہ دل میں کہ اس فن کی رہ سے
جا پہنچوں میں اگر کسی نواب و خاں تلک

تو چند بیت مدح میں اس کے قصیدہ طور
ایسے ہی کہہ کہ لاؤں قلم کی زباں تلک

تا ہو یقین کہ صفحۂ ہستی سے اس کا نام
اٹھے کسو ہی طرح نہ دورِ جہاں تلک

چھوڑوں نہ اس کنے، اس ابیات کا صلا
لوں کھود کر زمیں کو گنجِ نہاں تلک

القصہ گزری تھی مجھے شب اس خیال میں
ناگاہ پیرِ عقل نے آ اس مکاں تلک

ایسا ہی مارا ایک طمانچہ کہ تا ہنوز
پہنچے ہے رنگ چہرۂ گل ارغواں تلک

کہنے لگا وہ مجھ سے کہ سودا ہزار حیف
افسوس میں نے تجھ کو نہ سمجھا تھا یاں تلک

یہ قصد ہو ترا کہ میں لے کر بیاض ہاتھ
پہنچا کروں گا ہر در و ہر درباں تلک

بہر فلاح دامن ہمت نہ چھوڑیئے
تنگی ہے گر ہو چاک گریبان جاں تلک

عزت کی گر ہو گوشۂ دامن پہ نیم نان
دستار خواں گو نہ پہنچے یاں سے واں تلک

بس فرض کیا کیا ہے کہ اشعار رتبہ دار
لے جا کے تو پڑھا کرے ان ناکساں تلک

جو نخوت و غرور سے تحسین کے محل
ابرو سوا سخن کو نہ لادیں زباں تلک

نزدیک جن کے ہے وہ بڑا صاحب کمال
منصب کا جس کے رتبہ ہو فیل و نشاں تلک

گر بو علی سلام کرے آن کر انہیں
سینہ ہی پر وہ ہاتھ رکھیں ہیں جہاں تلک

چاہیں کہ ہمکلام ہوں اُن سے تو یہ کہیں
پہنچے ہے تیرا سلسلہ کس خانداں تلک

آدم تلک ان کے پاس غرض آدمی نہیں
پہنچائے تا نسب کو نہ شائستگاں تلک

سودا تو ان کی مدح کرے گا کہ حرفِ دروغ
یک حرف راست حلق سے نہ پہنچے گا زباں تلک

سودم

۲۱۔ ظفر

ہوں وہ آزاد کہ جوں سرو کسی کی خاطر
قد تعظیم مرا خم نہ ہوا پر نہ ہوا

کھلکھلا کے ہنسے گلشن میں ہزاروں غنچے
دل ہمارا خوش و خرم نہ ہوا پر نہ ہوا

اے ظفر دیکھئے عقبیٰ میں ہو کیا حال اپنا
چین دنیا میں تو اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا

ظفر

۲۲۔ شاعر کی شکایت

ناقدری عالم کی شکایت نہیں مولا
کچھ دفتر باطل کی حقیقت نہیں مولا

باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

نیک و بد عالم میں تامل نہیں کرتے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے

خاروں کیلئے رخ طرف گل نہیں کرتے
تعریف خوش الحانی بلبل نہیں کرتے

خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خزف کو
در کو تو گھٹاتے ہیں بڑھاتے ہیں صدف کو

اندھیر ہے چاند بناتے ہیں کلف کو
کھو دیتے ہیں شیشہ کے لیے دُرِ نجف کو

ضائع ہیں دُر و لعل بدخشان و عدن کے
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

ہے لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہے دُکانِ جواہر

ہیں بندم صبح تو، ورق خوانِ جواہر
دیکھے اسے ہاں ہے کوئی خواہاں جواہر

بینا ہے رقوماتِ ہنر چاہیئے اس کو
سودا ہے جواہر کا۔ نظر چاہیئے اس کو

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اکبار
ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلبگار

اب ہے کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار
ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار

کس وقت یہاں چھوٹ کے تک علم آئے
جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

انیس

۲۳۔ شاعری

شاعر کا اوج بلبل سدرہ سے کم نہ تھا
رکھتی تھی جن دلوں پر پروازِ شاعری

خدمت گذار شاعرِ خوش گو تھا ہر امیر
تھی ہر وزیر و شاہ کی دمسازِ شاعری

گرویدہ اک جہان تھا اس کے جمال کا
کرتی تھی اپنے حسن پہ خود نازِ شاعری

ہوتی تھی ہر زمیں کی مجلس میں اس کی قدر
رہتی تھی بزم و رزم میں ممتازِ شاعری

بھرتے تھے موتیوں سے سب اہلِ سخن کے منہ　　　　کرتی تھی شاعروں کو سرفراز شاعری

شاعر کی قدر فخرِ دو عالم نے کی حفیظ
رکھتی ہے یہ سندِ پئے اعزاز شاعری　　　　حفیظ

۲۴- مروجہ شاعری

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت　　　　کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار

نہ لکھتے ہیں کبھی نیرنگ حکمتِ قدرت　　　　نہ واقعات کے وہ کھینچتے ہیں نقش و نگار

سوائے عشق نہیں سوجھتا نہیں مضمون　　　　سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار

تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ　　　　کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جس کی سو سو بار

جو ناصحوں سے ہی کٹ بیٹ تو زاہدوں سے چخ　　　　جو ساقیوں سی لگاوٹ تو مغبچوں سے پیار

غریب شیخ پہ ہر دم دولتیاں جھاڑیں　　　　کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

کہاں ہے انکا ٹھکانا کدھر ہے انکا مقام　　　　وہی ہے بیتِ صنم اور خانۂ خمار

کریں گے اس قدر ایمان و دیں کی تفضیح　　　　کہ گویا ہیں کوئی ہفتا و ہشت گی کفار

جمال یوسف و اعجاز عیسےٰ و موسیٰ　　　　ہے انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
یہ ان کی نور بھری شاعری، خدا کی مار

اسمٰعیل

۲۵۔ نیچر کا شاعر

بعض نیچر کے مرقعوں کے تماشائی ہیں
بزمِ قدرت کے ہر اک سین کے شیدائی ہیں

دن نکلتا ہے تو سورج پہ فدا ہوتے ہیں
رات کو چاند کی سج دھج پہ فدا ہوتے ہیں

توڑ کر عرش سے مضمون کے تارے لائیں
چاندنی رات کے نظموں میں نظارے لائیں

ہو گئے مست جو گھنگھور گھٹائیں دیکھیں
پردۂ ابر میں بجلی کی ادائیں دیکھیں

مینہ کی بوندوں کو سمجھتے ہیں کہ موتی برسے
باغ کی سیر کو جاتے ہیں نکل کر گھر سے

دیکھتے ہیں کبھی اندازِ صبا کا نقشا
کھینچتے ہیں کبھی پھولوں کی قبا کا نقشہ

برف کے سین پہاڑوں میں دکھاتے ہیں کبھی
آپ مضمون کی گنگا میں نہاتے ہیں کبھی

آفریں آفریں اللہ رے قدرت کی بہار
نیچرل شعر ہوئے صنعتِ صانع کے نثار

کیفی

۲۶۔ شب و شاعر

کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورتِ گل، مانندِ بو پریشاں

تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو

یا تو مری جبیں کا تارا گرا ہوا ہے
رفعت کو چھوڑ کر جو پستی میں جا بسا ہے

خاموش ہو گئے ہیں تارِ ربابِ ہستی
ہے میرے آئینہ میں تصویرِ خوابِ ہستی

دریا کی تہ میں چشمِ گرداب سو رہی ہے
ساحل سے لگ کے موجِ بیتاب سو گئی ہے

بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ آفریں ہے
یوں سو گئی ہے جیسے آباد ہی نہیں ہے

شاعر کا دل ہے لیکن نا آشنا سکوں سے
آزاد رہ گیا تو کیوں کر مرے فسوں سے

میں تری چاند کی کھیتی میں گہر بوتا ہوں
چھپ کے انسانوں سے مانندِ سحر روتا ہوں

دن کی شورش میں نکلتے ہوئے شرماتے ہیں
عزلتِ شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں

مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو
تپشِ شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو

برقِ ایمن مرے سینے میں پڑی روتی ہے
دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے

صفتِ شمعِ لحد مردہ ہے محفل میری
آہ اے رات بڑی دور ہے منزل تیری

عہدِ حاضر کی ہوا راس نہیں ہے اس کو
ابھی نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو

ضبطِ پیغامِ محبت سے جو گھبراتا ہوں
تیرے تابندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

اقبال

۲۷۔ شاعر کا دل

شاعر کے دل کو چاہئے محزوں سدا رہے
کوئی نہ کوئی اس پہ غضب ٹوٹتا رہے

یہ دل نہیں ہے عیش و تنعم کے واسطے
بیجا نہیں گر اس پہ قیامت بپا رہے

اک رمز ہے کہ ہوں بہم افلاس و شاعری
ممکن نہیں کہ گوشت سے ناخن جدا رہے

دولت بڑھی تو شاعری روپوش ہو گئی
پاس اس اصول کا شعرا کو ذرا رہے

شاعر نہیں وراثتِ قاروں کی واسطے
یہ تیرا ملک تجھ کو مبارک شمار ہے

اس دل کو چاہئے کہ نہ دولت پرست ہو
یہ کعبۂ خلیل ہے اس میں خدا رہے

صادق

۲۸۔ عشق

گیا قیس ناشاد اس عشق میں
کھپی جانِ فرہاد اس عشق میں

ہوئی اس سے شیریں کی حالت تباہ
کیا اس سے لیلےٰ نے خیمہ سیاہ

سُنا ہو گا وامق پہ جو کچھ ہوا
نل اس عشق میں کس طرح سے ہوا

جو عذرا پہ گزرا سو مشہور ہے
دمن کا بھی احوال مذکور ہے

ستم اس بلا کے ہی سہتے گئے
سب اس عشق کو عشق کہتے گئے

اس آتش سے گرمی ہے خورشید میں
یہی ذرہ کی جان نومید میں

اسی سے دلِ ماہ ہے داغدار
کتاں کا جگر ہے سراسر فگار

اسی سے قیامت ہی ہر چار اور
اسی فتنہ گر کا ہے عالم میں شور

کوئی شہر ایسا نہ دیکھا کہ واں
نہ ہو اس سے آشوبِ محشر عیاں

کب اس عشق نے تازہ کاری نہ کی
کہاں خون سے غازہ کاری نہ کی

زمانے میں ایسا نہیں تازہ کار
غرض ہے یہ اعجوبۂ روزگار

میر

۲۹۔ پروانۂ حسن

ایک جا اک جوان رعنا تھا
لالہ رخسار سروِ بالا تھا

عشق رکھتا تھا اس کی چھاتی گرم
دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم

شوق تھا اس کو صورتِ خوش سے
اُنس رکھتا تھا وضعِ دل کش سے

تھا طرحدار آپ بھی لیکن
رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن

دیکھتا گر کہیں وہ چشم سیاہ
دل سے بے اختیار کرتا آہ

زلف ہوتی کسو کی گر برہم
دیکھتے اس کے حال کو درہم

سر میں تھا شور، شوق دل میں تھا
عشق ہی اس کی آب و گل میں تھا

الغرض وہ جوانِ خوش اسلوب
ناشکیبا رہے تھا بے محبوب

ایک دن بے کلی سے گھبرایا
سیر کرنے کو باغ میں آیا

کسو گل پاس وہ صنم ٹھیرا
کہیں سبزے میں ایک دم ٹھیرا

اک خیابان میں سے ہو نکلا
ایک ساگھ تلے سے رو نکلا

نہ تسلی ہوا دلِ بے تاب — نہ تھما چشمِ تر سے خونِ ناب

دل کی واشد سے بے توقع ہو — ہر شجر کے تلے بہت سا رو

دیکھ گلشن کو نا اُمیدانہ
مُنہ کیا اس نے جانبِ خانہ

ناگہ اک کوچے سے گزار ہوا — آفتِ تازہ سے دوچار ہوا

ایک غرفے سے ایک مہ پارہ — تھی طرف اس کے گرمِ نظارہ

پڑ گئی اس پہ اک نظر اس کی — پھر نہ آئی اسے خبر اس کی

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی — وہ نظر ہی وداعِ طاقت تھی

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ — صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

بے قراری نے کج ادائی کی — تاب و طاقت نے بیوفائی کی

منہ جو اس کا طرف سے اس کی پھرا
مضطرب ہو کے خاک پر یہ گرا

میر

۳۰ - جذبِ محبت

جس سے جی کو کمال ہو الفت — جس سے دل کی درست ہو نسبت

جنبش اس کی پلک کو گرداں ہو — دل میں یاں کاوشِ نمایاں ہو

واں اگر مو شکست کا ہو باب — یاں رگِ جاں کو ہووے پیچ و تاب

وال اگر پاؤں میں لگے ہے خار
دل سے یاں سر نکلے ہے یکبار

یار کو در دچشم گر ہوئے
چشم عاشق لہو میں تر ہوئے

چاک دامن ہیں واں پئے زینت
یاں گریباں ہی چاک گل کی صفت

واں دہن تنگ یاں ہی دِل تنگی
حسن اور عشق میں ہے یکرنگی

میر

۳۱۔ کرشمۂ عشق

یہ نہ سمجھیں کہ عشق آفت ہے
فتنہ سازی میں اک قیامت ہے

جس کسو سے یہ پیار رکھتا ہے
عاقبت اس کو مار رکھتا ہے

جذب سے اپنے جب گرے ہے کام
عاشق مردہ سے بھی لے ہے کام

خاک ہو کیوں نہ عاشق بیدل
کام سے اپنے یہ نہیں غافل

وصل جیتے نہ ہو میسّر اگر
لاوے معشوق کو بہ تربت پر

میر

۳۲۔ اضطراب عشق

دل تڑپتا ہے متصل میرا
مرغ بسمل ہے یا کہ دل میرا

وحشتِ طبع ابتو افزوں ہے
حال جی کا مرے دگرگوں ہے

بے دماغی بکمال ہوتی ہے — جان تن کی وبال ہوتی ہے

دل کوئی دم میں خون ہووے گا — آج کل میں جنوں ہووے گا

بے کلی جی کو تاب دیتی ہے — طاقت دل جواب دیتی ہے

جی میں آتا ہے ہوں بیابانی — پر کہوں ہوں کہ یہ ہے نادانی

مصلحت ہے کہ مجھ کو لے چل گھر — ایک دو دم رہیں گے دریا پر

گاہ باشد کہ دل مرا وا ہو

ورنہ کیا جانیے کہ پھر کیا ہو

۴۳۔ غرقابی عشق

میر

صبح گاہاں وہ غیرت خورشید — اس جگہ سے رواں ہوئی نومید

پہنچی نصف النہار دریا پر — روئی بے اختیار دریا پر

حد سے افزوں جو بیقرار ہوئی — دایہ کشتی میں لے سوار ہوئی

حرف زن یوں ہوئی کہ اے دایہ — یاں گرا تھا کہاں وہ کم مایہ

موج سے تھا کدھر کو ہم آغوش — تھا تلاطم سے کس طرح ہمدوش

تجھ کو آیا نظر کہاں آکر — پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جا کر

مجھ کو دیجو نشان اس جا کا — میں بھی دیکھوں خروش دریا کا

ہوں میں نا آشنائے سیر آب — ناشناسائے موجۂ گرداب

سمجھے کیا لعنتہ کس کو کہتے ہیں | گھر میں ہم نام سنتے رہتے ہیں
ہیں میسر کہاں یہ سیر عبور | اتفاقی ہیں اس طرح کے امور
مکر میں گرچہ دایہ تھی کامل | لیک تہ سے سخن کے تھی غافل
یہ نہ سمجھی کہ ہے فریبِ عشق | ہے یہ مہ پارہ ناشکیبِ عشق
پر سرِ دریا کے جا کہا یہ حرف | یاں ہوا تھا وہ ماجرائے شگرف

یاں وہ بیٹھا حباب کے مانند
پھر نہ تھا کچھ سراب کے مانند

سنتے ہی یہ کہاں کہاں کر کر | گر پڑی قصد ترک جاں کر کر
موج ہر یک کمند شوق تھی آہ | لپٹی اس کو بہ رنگ مارِ سیاہ
دام گسترده عشق تھا تہِ آب | جس کے حلقے تمام تھے گرداب
حسن موجوں میں یوں نظر آئے | نور مہتاب جیسے لہرا دے
تھی وہ اس کی حنائی انگشتاں | غیرت افزائے پنجۂ مرجاں
سر پہ جس دم کہ آب ہو کے بہا | سطح پانی کا آئینہ سا رہا
کشش عشق آخر اس مہ کو | لے گئی کھینچتی ہوئی تہ کو
جا ہم آغوش مردہ یار ہوئے | تہ میں دریا کے ہم کنار ہوئے
پاک کی زندگی ز آلائش | ہو کے دست و بغل کی آسائش
سر پٹکتی جو گھر گئی دایہ | آفت اک لے گئی نئی دایہ

اب وغم مادر و پدر اد سب
خاک افشاں و آہ و نالہ بلب

سوئے دریا رواں ہوئے گریاں
آتش غم سے دل جگر بریاں

خلق یکجا ہوئی کنارے پر
حشر برپا ہوئے کنارے پر

دامداروں سے سب نے کام لیا
آخر ان کو اسیر دام کیا

نکلے باہر وے موئے نکلے
دونوں دست و بغل ہوئے نکلے

ربط پنہاں بہم ہویدا تھا
مر گئے پر بھی شوق پیدا تھا

ایک کا ہاتھ ایک کی بالیں
ایک کے لب سے ایک کو تسکیں

جو نظر ان کو آن کرتے تھے
ایک قالب گمان کرتے تھے

کیا الکھوں ٹل رہے تھے وصلی وار
ہم دگر سے جدا ہوئے دشوار

کیوں نہ دشوار ہوئے ان کا فصل
جان دیدے ہوا ہو جن کا وصل

حیرت کار عشق سے مردم
شکل تصویر آپ میں تھے گم

میر

۴۳۔ نیرنگیِ عشق

عشق ہے تازہ کار و تازہ خیال
ہر جگہ اس کی اک نئی ہی چال

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہِ سرد ہوا

کہیں آنکھوں سے ہو کے خون بہا
کہیں سر میں جنون ہو کے رہا

کہیں رونا ہو ندامت کا
کہیں ہنسنا ہو اجراحت کا

تھا کسو دل میں نالۂ جانکاہ
ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ

ہے کہیں دل جگر کی بے تابی
تھا کسو مضطرب کی بے خوابی

کہیں عشاق کی نیاز ہوا
کہیں اندوہ جاں گداز ہوا!

کبھو افغانِ مرغِ گلشن تھا
کبھو قمری کا طوقِ گردن تھا

ایک عالم میں دردمندی کی
ایک محفل میں جا سپندی کی

ایک دل سے اٹھے ہو کر دود
ایک لب پر سخن ہے خوں آلود

اک زمانہ میں دل کی خواہش تھا
اک سمیں میں جگر کی کاہش تھا

کہیں بیٹھے ہی جی میں ہو کر چاہ
کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ

خار خارِ دلِ غریباں ہے
انتظارِ بلا نصیباں ہے

کشش اس کی ہے ایک اعجوبا
ڈوبا عاشق تو یار بھی ڈوبا

کون محرومِ وصل یاں سے گیا
کہ نہ یار اس کا پھر جہاں سے گیا

کام میں اپنے عشق پکا ہے
یاں یہ نیرنگ ساز یکا ہے

جس کو ہو اس کی التفات نصیب
ہے وہ مہماں چند روزہ غریب

ایسی تقریب ڈھونڈلاتا ہے
کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے

میر

۳۵۔ امتحان محبت

پئے امتحان عاقبت یک نفر
مقرر ہوا تاکہ جا اس کے گھر

کہنے غرق دریا ہوا پر سرام
ہوئی زندگانی کی صبح اسکی شام

گیا تھا نہانے کو وقت سحر
سو ڈوبا وہ خورشید روشن گہر

نہ سمجھا وہ نافہم اسرار عشق
نہ سونچا وہ ناتجربہ کار عشق

کہاں غرق دریا ہوا پر سرام
ہوا کام اس رشک مہ کا تمام

سُنا اس کے ہمسر نے جب یہ سخن
ہوا موج زن بحر رنج و محن

نگہ اک طرف ڈر کے مایوس کی
دم سرد کھینچا گیا ڈوب جی

وہی بیخودی رخصت جان تھی
وہ اک دم کی گویا کہ مہماں تھی

گری ہو کے بے جان وہ دردمند
ہوا شور نوحے کا گھر سے بلند

موئے غم میں اس جملہ تن نازکے
گئی جان ہمرہ سخن سازکے

وہ آیا جو تھا دل پریشاں گیا
کہ اس واقعے سے پشیماں گیا

خبر لے گیا اس کنے زود تر
جو تھا در پئے امتحاں بیخبر

کہ وہ رشک مہ امتحاں دے گئی
محبت کے ناموس کو لے گئی

ہوا سُن پر سرام کے تئیں ہوئی — مرے اک سخن میں قیامت ہوئی

اگرچہ نہ کچھ ان نے منہ سے کہا

دیا جی و لے جی اسی میں رہا

میر

۳۶۔ جنون فراق

گیا ہوش سُن کر پرسرام کا — دِوانہ ہوا عشق کے کام کا

اٹھا بے خود و بیخبر بے حواس — گرا آ کے اس پیکر مردہ پاس

زمیں پر سے آخر اُٹھایا اسے — لب آب جا کر جلایا اسے

جب آگ اس کے پیکر پہ سب چھا گئی — محبت عجب داغ دکھلا گئی

یہ سر گرم فریاد و زاری ہوا — لہو اس کی آنکھوں سے جاری ہوا

جگر غم میں یک لخت خوں ہو گیا — دُکا دل کہ آخر جنوں ہو گیا

گئے ہوش و صبر اسکے یکبارگی — طبیعت میں آئی یک آوارگی

سراسیمگی سے بگولا ہوُا — پھرے اس طرح جیسے بھولا ہوا

نہ جی کو تسلی نہ دل کو قرار — کف غم میں سر رشتہ بے اختیار

کبھو یاد کر اس کو نالاں رہے — کبھو ٹک جو بھولے تو حیراں رہے

کبھو یاں کبھو واں بحالِ خراب — وہی بے قراری وہی اضطراب

رہے گھر تو آشوبگہ وہ گلی — چمن میں جو لے جائیں تو بیکلی

کبھو متصل ہو نتھ پر آہ سرد
کبھو دست بر دل کہ دل میں ہے درد
ہوئی رفتہ رفتہ جو وحشت زیاد
لگا بھاگنے سب سے وہ نامراد
کچھ اپنے بد و نیک کی سدھ نہیں
نکل جائے تنہا کہیں کا کہیں
کبھو جا کے صحرا سے لاویں اسے
کبھو روتے دریا پہ پاویں اسے
کبھو خاک ملتا ہے منہ پر کھڑا
کہیں ہے خرابی میں بے سدھ پڑا

میر

۲۷۔ شعلہ عشق

ہوئے عاقبت سوئے دریا رواں
نہ پیدا کسو پر یہ راز نہاں
کہ اک آگ سلگی ہے واں یک کنار
محبت کہیں ہے یہی گرم کار
کسو اشتعالک کی ہے منتظر
جہاں سر کو کھینچا قیامت تھی پھر
ہوئے ناؤ پر شام گہ جب سوار
کہا ان نے یاں ایک ہے دلدار
اسے سات لو تو بڑی بات ہے
کہ دریا میں پھرنا ہے اور رات ہے
لیا آخر الامر ہمرہ اسے
بٹھایا قریب اپنے یہ کہہ اسے
تنک دور چل کر کیا یہ سوال
مجھے ہے ترے حرف شب کا خیال
کہاں شعلہ سرکش آتا ہے یاں
کدھر پیچ و تاب آکے کھاتا ہے یاں
کہاں اس نے ہے دریا پہ یکدم قرار
کدھر مضطرب ہو کے ہے گزار

ٹھہرتا ہے کس جا وہ آتش فگن ۔۔۔ طرف کون سی ہے وہ گرمِ سخن
یہ صیاد سے تھا ہی محوِ سراغ ۔۔۔ جگر آتشِ شوق رکھتی تھی داغ
کہ ہو کر فروغ اک سوئے آسماں ۔۔۔ تڑپنے لگا جیسے آتش بجاں
کوئی دم میں دریا پہ آیا فرود ۔۔۔ ہوا نیزہ بالا سبھوں کو نمود
لبِ آب وہ شعلۂ جاں گداز ۔۔۔ تڑپ کر بہت با زبانِ دراز
پکارا کہاں ہے پر سرام تو ۔۔۔ محبت کا ٹک دیکھ انجام تو
کہ میں جملہ تن آتشِ تیز ہوں ۔۔۔ دل گرم سے شعلہ انگیز ہوں
بھڑکتی ہے جب آگ دل کی مرے ۔۔۔ لبِ آب اتروں ہوں غم میں ترے
مگر سوزشِ دل ہو کم آب سے ۔۔۔ بجھے جی مرا اس تپ و تاب سے

سو یہ آب رکھتا ہے روغن کا کام
کیا عشق نے آہ دشمن کا کام

یہ بیتاب سن کر ہوا بے قرار ۔۔۔ سفینے سے اترا بصد اضطراب
ہوا ہمدم اس آتش انگیز سے ۔۔۔ کہا اس بلائے دل آویز سے
کہ میں ہوں پر سرام خانہ خراب ۔۔۔ مرا دل بھی اس آگ سے ہی کباب
مرے بھی جگر میں یہی سوز ہے ۔۔۔ یہی مجھ کو جلنا شب و روز ہے
سخن مختصر کچھ وہ شعلہ جلا ۔۔۔ کچھ اک اپنی جاگہ سے یہ دل جلا
بہم گرمجوشی سے یکجا ہوئے ۔۔۔ کہ گزری تھی مدت بھی تنہا ہوئے

وہ شعلہ رہا ایک جا مشتعل — کیے تو تسلی ہوئے جان و دل
یکایک بھڑک کر وہ جلنے لگا — پھر ادھر ادھر پھرنے چلنے لگا
گیا پاس پانی کے آکر صعود — رہی روشنی سی کوئی دم نمود
پھر آگے کسو پر نہ پیدا ہوا — نہ جانا کہ وہ شعلہ پھر کیا ہوا
خبردار ہو اہلِ کشتی تمام — لگے کہنے باہم نہیں پر سرام
اٹھے ڈھونڈنے ہو کے سب ناصبور — کنارے پہ دریا کے نزدیک و دور
گئے مضطرب حال سارے رواں — تڑپتا تھا وہ شعلہ آکر جہاں
نہ پایا کہیں اس کو حیراں ہوئے — نہایت ہی خاطر پریشاں ہوئے
تلاش اسکی کی اور لے لے کے نام — پکارے بہت پر کہاں پر سرام

محبت نے ایسا کھپایا اسے
کہ ہرگز کنھوں نے نہ پایا اسے

میر

۲۸۔ سیلاب عشق

عجب عشق ہے مرد کار آمدہ — جہاں دو دلوں اس کے ہیں برہم زدہ
محبت ہے نیرنگ ساز عجیب — فسانے ہیں اس کے عجیب و غریب
کوئی عشق کرنا دھر اٹھا نہ رے — گئے میکدے سے بھی صوفی پرے

نہ واں مکر و نے شید و طامات ہے — خرابات جا کر کرامات ہے
ہوئے عشق میں زہد کشتیاں خراب — ہے دل شکستہ پہ پیتیاں خراب
اٹھا عشق کا شور عزلت گزیں — گئے دشت گردی کو کر ترک دیں
ہوا عشق سے مجلسی حال دھر — تواجد لگے کرنے شیخان شہر
محبت کے ساغر کش اہل صلاح — یہ بیہوش وا روہی ان کی فلاح
کوئی ہوش میں اپنے رہتا نہیں — ہر اک چپ ہی کچھ کوئی کہتا نہیں
نہ سبحہ نہ زنار نے کفر و دیں — جہاں سب ہے عشق اور کچھ بھی نہیں

یہی عشق جس سے کہ حاصل ہی کام
یہی عشق ہے جس سے نکلا ہے نام

میر

۳۹۔ حسن

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے — اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

میر ان نیم باز آنکھوں میں — ساری مستی شراب کی سی ہے
نازکی اس کے لب کی کیا کہیئے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میر

۴۰۔ بیداریِ ناز

تھی صبح جو منہ کو کھول دیتا
ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات
پر زلفوں میں منہ چھپا کے بولا
اب ہووے گی میر کس قدر رات

میر

۴۱۔ نگاہِ الفت

نیچی آنکھیں ہم اس کو دیکھا کئے
کبھو اونچی نگاہ کرتے تھے

نظر بھر دیکھتا کوئی تو تم آنکھیں چھپا لیتے
سماں اب یاد ہوگا کب تمہیں وہ خورد سالی کا

مچلا ہے وہ تو دیکھ کے لیتا ہے آنکھ موند
سوتا پڑا ہو کوئی تو اس کو جگائیے

گراں کی اور کوئی گرمی سے دیکھتا ہے
اک آگ لگ اٹھی ہی اپنے تو تن بدن سی

یار عجب طرح نظر کر گیا
دیکھنا وہ دل میں اتر کر گیا

کیا ہے دیکھو ہو جو ادھر ہر دم
اور چتون میں پیار سا ہے کچھ

اس کا منہ دیکھ رہا ہوں سو وہی دیکھوں ہوں
نقش کا سا ہے سماں میری بھی حیرانی کا

گزرا میں اس سلوک سے ۔ دیکھا نہ کر مجھے
برچھی سی لاگ جاہے جگر میں تری نگاہ

بیٹھے تھے میر یار کے دیدار کو سو ہم
اپنا یہ حال کر کے اٹھے اک نگاہ میں

میر

✣

۴۲ ۔ آرزوئے اُلفت

در سے کبھو جو آتے دیکھا ہی میں نے اسکو — تب سے اُدھر ہی اکثر میری نظر رہے ہی

یہاں جو وہ نونہال آتا ہے — جی میں کیا کیا خیال آتا ہے

مقدور ہم تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں — منہ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے پیارے کیوں ہوئے

میر

۴۳ ۔ شکوۂ ناز

ہاتھ گردن میں نہ ڈالو، نہ ملو تم ہو وہی — جو خفا ہو گئے تھے لوگوں کے بہکانے سی
؟

۴۴ ۔ خوابِ عشق

لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھا — ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

وہ تو گلے لگا ہوا سوتا تھا خواب میں — بخت اپنے سو گئے کہ جو بیدار ہو گئے

میر

۴۵۔ کمسن حسین کو در پردۂ تنبیہ

سن لے آے شوخ گلبدن ناداں
تجھے کہہ کہہ کے ہم ہوئے حیراں
اس طرح بھر کے منہ چبا کر پان
غیر سے تو ہنسا نہ کر ہر آن
اس میں ہوگا ہمارے جی کا زیاں
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

گلبدن تالیاں بجاویں گے
غنچہ لب منہ بنا چڑا دیں گے
کتنے آنکھوں میں مسکرادیں گے
کتنے آئینہ لا دکھادیں گے
کیا ہی چھیڑیں گے ہر گھڑی آن
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

گر انکھوں میں تو ہو گیا بدنام
کئی خوباں کریں گے خطا از قام
کتنے ہنس ہنس کے دیویں گے دشنام
کئی جھک جھک کریں گے آ کے سلام
پھر بندھیں گے اکھاڑے اور میداں
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

تو جو خوباں میں خوار ہووے گا
اپنی سب دلبری ڈبووے گا
بات سب مفت اپنی کھووے گا
ہاتھ پھر سر پہ رکھ کے روئے گا
کچھ نہ پھر بن سکے گا اے ناداں
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

پھول ڈالی پہ جب تلک ہی کھلا　　اس کا واں ہے کچھ اور ہی رتبہ
جب کہ اس کو کسی نے توڑ لیا　　پھر وہیں سونگھ سانگھ پھینک دیا

اس سخن کے تو مغز کو پہچان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

تجھ پہ اب پھینکے نہیں جو پھندے　　اے ستمگر برے ہیں وہ دھندے
واں کئی ہو چکے ہیں شرمندے　　دیکھ الفت میں ان کی مت تن دے

بن کے انسان پھر نہ ہو حیوان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

آج جانا کہیں جو ہے ٹھانا　　دیکھیو ان کے ساتھ مت جانا
آفریں اس حسن پر تو مت لانا　　ان کے زنہار دم میں مت آنا

ان سے ڈرتا ہی ہر گھڑی شیطان
اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

نظیر

۴۶۔ بے زبانی

جی میں کیا کیا ہے اپنے ای ہمدم　　پر سخن تا بلب نہیں آتا
کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا　　سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

جنبش بھی اس کے آگے ہونٹوں کو ہو تو کہیے
یوں اپنے طور پر تم باتیں بہت بنالو

اس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
دل کی پھر دل ہی لئے چپکا چلا جاتا ہوں

دل میں کتنے مسودے تھے ولے
ایک پیش اس کے رو برو نہ گیا

جی میں تھا اس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہئے میر
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

کہتے تھے اس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہئے لیک
وہ آگیا تو سامنے اس کے نہ آئی بات

دیر کچھ کھنچی تو کہتے بھی ملاقات کی بات
ملنا اپنا جو ہوا اس سے سو وہ بات کی بات

بات اپنے ڈھب کی کوئی کرے وہ تو کچھ کہوں
بیٹھا خموش سامنے ہوں ہوں کروں ہوں میں

کتنی باتیں بنا کے لاؤں ایک
یاد رہتی ترے حضور نہیں

جی میں بگڑ رہا ہے تب میر چپ ہے بیٹھا
چھیڑا بھی تو کیا کیا باتیں بنا کے لاوے

نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت
کہو میر جی آج کیوں ہو خفا سے

اب تو چپ لگ گئی ہے حسرت سے
پھر کھلے گی زبان جب کی بات

احوال میر جی کا مطلق گیا نہ سمجھا
کچھ زیر لب کہا بھی سو دیر دیر رو کر

میر

۷۴ - قاصد

کاتب کہاں دماغ جواب شکوہ اٹھائیے
بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیئے

نہ پڑھا خط کو یا پڑھا قاصد
آخر کار کیا کہا قاصد

گر پڑا خط تو تجھ پہ حرف نہیں
یہ بھی میرا ہی تھا لکھا قاصد

اب غرض خامشی ہی بہتر ہے
کیا کہوں تجھ سے ماجرا قاصد

یہ تو رونا ہمیشہ ہے مجھ کو
پھر کبھو پھر کبھو بھلا قاصد

کہنہ قصہ لکھا کروں تا کے
بھیجا کب تک کروں نیا قاصد

ہے طلسمات اس کا کوچہ تو
جو گیا سو وہیں رہا قاصد

دور تلک قاصد کے پیچھے کچھ کہتا میں جاتا تھا
شوق ستم کش ظالم نے کیا رفتہ رفتہ بڑھائی بات

ناخواندہ خط شوق لگے چاک کرنے تو
قاصد تو کہیو ٹک کہ جفا کار دیکھ کر

دو حرف اس کے منہ کے تو لکھ بھیجیو شتاب
قاصد چلا ہے چھوڑ کے تو جاں بلب مجھے

میر

۴۸۔ کیفیتِ عشق

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
ناداں پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں کوئی دل کو جیسے ملا کرے ہے

چھاتی جلا کرے ہے سوزِ دروں بلا ہے
اک آگ سی رہی ہے کیا جانئے کہ کیا ہے

گر عشق نہیں ہے تو یہ کیا ہے بھلا مجھ کو
جی خود بخود اے ہمدم کاہیکو کھپا جاتا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

میر

۴۹۔ تغافل

دلِ نالاں کو یاد کر کے صبا — اتنا کہنا، جہاں وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ — اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

درد

۵۰۔ رازِ عشق

میر سے پوچھا جو میں عاشق ہو تم — ہو کے کچھ چپکے سے شرمائے بہت
چپکا چپکا پھرا نہ کر تو مت سے — کیا حرف و سخن عیب ہے کچھ جرم ہے
آخر کو رکے رہتے جنوں ہوتا ہے — اے میر کوئی بات کیا کر ہم سے
پوشیدہ راز عشق چلا جائے تھا سو آج — بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا
رازِ دل چھپا نہ سکا اشکوں کے بھر آنے سے — رو دیا بزم میں غیروں کو بہانے سے
جیب اور آستیں سے رونے کا کام گزرا — سارا نچوڑ اب دامن پر آ رہا ہے
کہنے کا پاس اتنو رسوائی دو رہ پہنچی — رازِ محبت اپنا کس سے چھپا رہا ہے

میر

۵۱ - احوال عشق

پوچھو تو میرؔ سے کیا کوئی نظر پڑا ہے
چہرہ اتر رہا ہے کچھ آج اس جواں کا

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میرؔ سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

کس طرح سے مانئے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑ جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میرؔ کا

کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہے اے میرؔ حال تیرا

تفحص فائدہ ناصح تدارک تجھ سے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد، دل جس کا لگا ہوگا

بس طبیب اٹھ جا مری بالیں سے مت دے دردِ سر
کام یاں آخر ہوا۔ اب فائدہ تدبیر کا

میر

۵۲ - دل

بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا

وہ دل کہ شام و سحر جیسے پکا پھوڑا تھا
وہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر فگار رہا

تمام عمر کٹی اس پہ ہاتھ رکھتے ہمیں
وہ دردناک علی الرغم بے قرار رہا

ستم میں غم میں سر انجام اس کا کیا کہئے
ہزاروں حسرتیں تھیں تس پہ جی کو مار رہا

بہا تو خون ہو آنکھوں کی راہ بہ نکلا
رہا جو سینۂ سوزاں میں داغدار رہا

سو اس کو ہم سے فراموش کاریوں لیگئے　　کہ اس سے قطرۂ خوں بھی نہ یادگار رہا
گلی میں اس کے گیا سو گیا نہ بولا پھر
میں میرؔ میرؔ کر اس کو بہت پکار رہا

میر

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل　　تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہی چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
دل نہ تھا ایسی جگہ جس کی نہ سدھ لیجئے کبھو　　اُجڑی اس بستی کو پھر تو نے بسایا ہوتا
دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں　　اس عمارت کو تو ٹک دیکھ کے ڈھایا ہوتا
تڑپے ہے جب کہ سینے میں اُچھلے ہے دو دو ہاتھ　　گر دل یہی ہے میرؔ تو آرام ہو چکا
چشم سے خون ہزار نکلے ہے
کوئی دل کا نجار نکلے ہے

میر

نظیرؔ حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال　　خدا ہی جانے یہ ندرت مآب ہی کیا چیز
جو سخت ہوئے تو ایسا کہ کوہ آہن کا　　جو نرم ہوئے تو برگ گلاب ہی کیا چیز
باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہی دل　　اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسی دیوانے کو ہم
دل کی بیتابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہی مجھے　　دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں شام کہیں

۵۳۔ آفتِ دل

روز حالت ہے اک نئی دل کی — کیا بُری چیز ہے لگی دل کی
تیری محفل میں او ستم پرور — یاد ہے مجھ کو بے بسی دل کی
عرضِ مطلب نہ ہو سکا مجھ سے — بات دل ہی میں رہ گئی دل کی
نگہہ لطف دیکھ کر اس کی — اور حالت بگڑ گئی دل کی
سینہ ہی میں تڑپ تڑپ کے رہا — ہوئی ظاہر نہ بے کلی دل کی
ہے تلوّن کا اس کے اک پہلو — ہم کو معلوم ہے خوشی دل کی
ہو الٰہی بیان میں تاثیر — پوچھتے ہیں وہ بے کلی دل کی

چین خلوت میں بھی ہوا نہ نصیب
ساتھ آفت لگی رہی دل کی

ھادی

۵۴۔ دردِ دل

کوئی دنیا میں نہیں ہے رمز دانِ دردِ دل — ہائے میں کس کو سناؤں داستانِ دردِ دل
آہ پیہم سے ہی ظاہر حالتِ سوزِ جگر — دیدۂ نم ہے ہمارا ترجمانِ دردِ دل
باسوائے مرگ اس کا اور کچھ درماں نہیں — عارضہ ہے کون سا مہلک بیانِ دردِ دل
اس کے صدقہ میں ملے گر زیست سے ہم کو نجات — ہم خوشی سے ہونگے اس دم مدح خوانِ دردِ دل

جب بلبلیں فردوس میں تجھ کو عزیز رفتگاں
قلب محزوں پیش کرنا ارمغانِ دردِ دل

خاطرِ احباب پژمردہ نہ ہو جائے کہیں
ختم کرنا شاد آب آہ فغانِ دردِ دل

عزیزہ خاتون

۵۵۔ اضطراب

دروں خود بخود بے حواسی رہے
پریشان دلی اور اداسی رہے

کروں بے کلی جاؤں تا ہر کہیں
نہ گھر میں لگے جی نہ باہر کہیں

قیامت جنوں کا رہے سر میں شور
کھنچا جائے دل کوہ صحرا کی اور

میر

۵۶۔ کوئے یار

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

جب ہوش میں تو آیا ادھر ہی جاتے پایا
اس سے تو میر چندے اس کوچہ ہی میں جا رہ

آنے کبھو جو واں سے تو یاں رہنے تھی اداس
آخر کو میر اس کی گلی ہی میں جا بسے

جو ہو میر بھی اس گلی میں صبا
بہت پوچھیو تو مری اور سے

میر

۵۷۔ وارفتگی

برسوں تک میں پھرا ہوں سرگرداں — روز و شب دونوں تھے مجھے یکساں
کیسے پانی ہو مینہ ہو یا برسات — روز روشن ہو یا اندھیری رات
اُن تلک میرے تئیں پہنچ رہنا — بیٹھے منہ دیکھنا نہ کچھ کہنا
آشنا یار سارے بے گانے — کہ ہوئے میر جی تو دیوانے
رشتۂ ربط انھوں نے توڑ دیا — ملنا جلنا سبھوں نے چھوڑ دیا
نظر آتے نہیں ہیں مدت سے — اُنس پیدا کیا ہے وحشت سے
صبح ہوتے ہی گھر سے چلتے ہیں — جیسے کھوئے گئے نکلتے ہیں
چلے جاتے ہیں دیکھتے ہی راہ — پر کہیں کی کہیں پڑے ہی نگاہ
مل گیا جو کوئی تو بچ نکلے — بڑے، خبطی، دوانے سچ نکلے
رنگ ہر دم مزاج کا کچھ اور — کل کا کچھ اور آج کا کچھ اور
کیا بیاں کرے بیقراری کا — ذکر کیا حال اضطراری کا

پاس ان کے رہوں تو دل کو قرار
پھر نہ ٹھیرے تنک ایک گھڑے ہزار

یوں تو مردے سے پڑے رہتے ہیں ہم — پر وہ آتا ہے تو آ جاتا ہے جی
اٹھ چلے پر اس کے غش کرتے ہیں ہم — یعنی ساتھ اس کے چلا جاتا ہی جی

آہ نہیں پاتا وہ مرتے وقت بھی

حیف ہے اس میں رہا جاتا ہی جی

میر

۵۸۔ بیقراری

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے　　درد بے اختیار اٹھتا ہے

اب تلک بھی مزار مجنوں سے　　ناتواں ایک غبار اٹھتا ہے

ہے بگولہ غبار کس کا میرؔ

کہ جو ہو بیقرار اٹھتا ہے

آج کل بے قرار ہیں ہم بھی　　بیٹھ جا چلنے ہار ہیں ہم بھی

آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں　　تحفۂ روزگار ہیں ہم بھی

منع گریہ نہ کر تو اے ناصح　　اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی

نالے کر یو سمجھ کے اے بلبل　　باغ میں اک کنار ہیں ہم بھی

میرؔ نام اک جواں سنا ہوگا

اسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی

میر

۵۹۔ الفراق

لگی کہنے کہ مصلحت ہے یہ — کتنے روزوں جدا تو مجھ سے رہ
میں اٹھایا نہیں ہے تجھ سے ہاتھ — کر صبوری تو ہی میری جان کی ساتھ
میں کہوں کیا مجھے نہ اپنا ہوش — جیسے تصویر سامنے خاموش
آنسو آنکھوں میں پیئے جاؤں — دے کہیں کچھ تو ہاں کئے جاؤں
ان سے رخصت ہوئے جو بعد شام — تیرہ دیکھا جہاں کو ہر گام
دل ٹھہرتا نہ تھا ملامت تھی — جان کو رفتگی کی حالت تھی
یوں ہوا ان کے کوچے سے آنا — جیسے ہوئے جہاں سے جانا
اب جو گھر میں ہوں تو فسردہ سا — چارپائی پہ ہوں تو مردہ سا
جی میں کچھ آیا رو کے بیٹھ رہا — دل زدہ چپکا ہو کے بیٹھ رہا
کوئی آیا جو واں سے جی آیا — سو نہ آیا کبھی کبھی آیا
دیکھیے چند یوں رہیں گے جدا — چاہے ہے کیا ہمارے حق میں خدا

خونِ دل کب تلک پئیں گے ہم
رنگ یہ ہے تو کیا جئیں گے ہم

میر

۶۰۔ شب فرقت

خدا ہی جانے کہ کس سبب سے ہماری قسمت پلٹ گئی ہے
ہر ایک صورت سے اب تو اے دل طبیعت اس بُت کی ہٹ گئی ہے
کسی طرح سے باہ و زاری یہ رات آدھی تو کٹ گئی ہے
ہے منہ پہ بیداریوں سے زردی ہوس اگر نیند اچٹ گئی ہے
قصور اس کے ہیں سو رہو تم بغل کے تکیئے لگا لگا کر

ہوس

۶۱۔ غم عشق

گر کسی ڈھب سے کوئی مجھ کو ہنسا دیتا ہے
غم فرقت وہیں کچھ یاد دلا دیتا ہے
لذتِ دردِ غمِ عشق ہے ایسا کہ اگر
رونے اس میں تو رونا بھی مزا دیتا ہے
رات تک نیند سی آتی ہی تو پھر اس کا خیال
آنکھ لگنے نہیں پاتی کہ جگا دیتا ہے
مرضِ عشق سے یہ حال ہے میرا کہ طبیب
اب تشفی کے لئے مجھ کو دوا دیتا ہے

جرارت

⁘

۶۲۔ بیتابیِ عشق

رخصت اے زنداں جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے
مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

بس کہ گرم سوز درد دل بھن جائیں گے دل اور جگر
رحم جوش گریہ پھر چھاتی ابھی بھر آئے ہی

بل بے استغنا کہ وہ یاں آتے آتے رہ گئی
اُف رے بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہی

نزع میں بھی ذوقؔ کو تیرا ہی بس ہی انتظار
جانبِ در دیکھ لے ہے جب کہ ہوش آجائے ہی

ذوق

۶۳۔ سوزِ فراق

مجھے اے دوست تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے
کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے

یہ بیتابی یہ بیخوابی یہ بے چینی دکھاتا ہے
نہ دل لگتا ہے گھر میں اور نہ صحرا مجھ کو بھاتا ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاؤ
اسیو کٹھن سینہ کا کس بدھ کروں اُپاؤ

نہ تھا معلوم یہ الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے
جگر کی بے کلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے

سکنا آہ کرنا اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے
تڑپنا لوٹنا بیتاب ہو جانا بھی ہوتا ہے

اگر وا بستے روزِ ازل داغ جدائی را
نمیکر دم بدل روشن چراغ آشنائی را

جو میں ایسا جانتی پیت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈورا پھیرتی۔ پیت نہ کیجو کوئے

نظیر

۶۴۔ انجام محبت

چھٹتا ہی نہیں ہو۔ جسے آزار محبت
مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمار محبت

امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد
مر جائے تبھی چھوٹے گرفتار محبت

تقصیر نہ خوباں کی نہ جلاد کا کچھ جرم
تھا دشمنِ جانی مرا اقرار محبت

ہر جنس کے خواہاں ملے بازار جہاں میں
لیکن نہ ملا کوئی خریدار محبت

مجھ سا ہی ہو مجنوں بھی یہ کب جانے ہی غافل
ہر سر نہیں اے میر سزاوارِ محبت

کب تلک جی رُکے خفا ہووے
آہ کرے کہ ٹک ہوا ہووے

جی ٹھہر جائے یا ہوا ہووے
دیکھیے ہوتے ہوتے کیا ہووے

کاہشِ دل کی کیجیے تدبیر
جان میں کچھ بھی جو رہا ہووے

چپ کا باعث ہے بے تمنائی — کہیے کچھ بھی تو مدعا ہووے
عشق کیا ہے درست اے ناصح — جانے وہ جس کا دل لگا ہووے
مر گئے ہم تو مر گئے تو جی — دل گرفتہ تری بلا ہووے

نہ سنا ہم نے رات اک نالہ
غالباً میر مر رہا ہووے

بد نہ لیجا ئیو پوچھوں ہوں تجھی سے یہ طبیب — نہ ہوا کوئی بھی اس درد کا بیمار ہنوز

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

میر

۶۵۔ میدانِ عشق

ملا کہیں تو دکھادیں گے عشق کا جنگل — بہت ہی خضر کو غرہ ہے رہنمائی کا
وہ دشت خوفناک رہا ہے مرا وطن — سن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا
ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میر — کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو
جس دم کہ تیغ عشق کھینچی بوالہوس کہاں — سن لیجیے کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا

میر

۶۶۔ فراق یوسف

یوسف کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے
فرقت ہوئی یعقوب کو اس رشکِ قمر سے
رنگِ رخِ پُرنور اُڑا اور دِ جگر سے
دنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے

دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنویں میں تھا، پدر چاہ الم میں

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب
بر میں دلِ مجروح طپاں صورت سیماب
آرام کی صورت نہ کوئی زیست کا اسباب
فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہوں تو کہاں خواب

بستر کو کبھی دیکھ کے دل بند کے روتے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روتے

پیراہن یوسف کبھی آنکھوں سے لگاتے
کرتے کی کبھی سونگھ کے بو اشک بہاتے
رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے
پوشاک یہ جس کی ہے اسے ہم نہیں پاتے

افسوس کہ وہ خلق سے بن باپ سدھارے
کپڑے تو دھرے رہ گئے اور آپ سدھارے

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر
بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر
ملتا نہیں گم ہو گیا یوسف مرا دلبر

اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی
فرزند سے لِلّٰہ ملا دے مجھے کوئی

ہر بات پہ روکر کفِ افسوس کو ملتے
ہر گام پہ بسمل کی طرح گرتے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخسار پہ ڈھلتے
گہ ضعف سے گرتے کبھی اٹھتے کبھی چلتے

جب شہر میں پاتے تھے نہ اس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈنے جاتے تھے پسر کو

سائے میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے
اشکوں سے کبھی دشت کے دامن کو بھگوتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے
دریا سے یہ کہہ کر کبھی منہ اشکوں سے دھوتے

اب اس کی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے
تجھ میں تو مرا گوہرِ نایاب نہیں ہے

تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا
چلاتے تھے اے لال تو کس قبر میں سویا
یوسف تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا
خود گم ہوں کہ پیارے تجھے ان ہاتھوں سے کھویا

کچھ تیرا پتہ اے مرے مہ رو نہیں ملتا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

کیا جانئے ہو دھوپ میں یا سر پہ ہے سایا
کھانا بھی کہیں چین سے کھایا کہ نہ کھایا
گرمی کے ہیں دن پانی بھی ٹھنڈا کہیں پایا
آرام مرے ہجر میں کیوں کر تجھے آیا

راحت بھی کوئی دم ہے کہ دکھ سہتے ہو بیٹا
جنگل ہے کہ بستی ہے کہاں رہتے ہو بیٹا

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہے پیارے
تو دیکھتے ہیں لوگ سحر صبح کو سارے

گردن کو چھپے شب کو نکلتے ہیں تارے
تو کون سی بدلی میں ہے اے چاند ہمارے

حیرت ہے مرے دیدۂ دیدار طلب کو
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو

للہ ملاقات کی صورت تو بتاؤ
آنکھوں کی بصارت بھی چلی اب نہ رلاؤ
اے لال کبھی خواب میں بابا کے تو آؤ
مادر کے تڑپنے کو ذرا دیکھ تو جاؤ

پھر سے روا کا کبھی کونا نہیں چھٹتا
جس دن سے تم چھوٹے ہو رونا نہیں چھٹتا

بیت الحزن اور آپ نہ کھانا نہ سونا
گردن تھا رونا تھا جو تھی رات تو رونا
آہیں کبھی کرنا کبھی منہ اشکوں سے دھونا
اک کہنہ حصیر اور نہ تکیہ نہ بچھونا

آرام نہ بے گریہ وزاری کوئی دم تھا
رخساروں پہ تھی زخم اور آنکھوں پہ ورم تھا

پوچھا یہی گر کوئی ملاقات کو آیا
بتلاؤ کہ یوسف کا پتہ ہے کہیں پایا
افسوس کہ پیارے کی خبر کوئی نہ لایا
ایسا نہیں بچھڑا کہ ملے گا مرا جایا

کیا لطف ہے گر جیتے رہے کھو کے پسر کو
اے جان نکل اب کہ قرار آئے جگر کو

انیس

۶۷۔ گل و بلبل

پھر اب بہار آئی صحرا میں چل جنوں کر
کوئی بھی فصلِ گل میں ناداں گھر رہے ہے

چمن کی وضع نے ہم کو کیا داغ
کہ ہر غنچہ دل پر آرزو تھا

پھاڑا ہزار جا سے گریبانِ صبر میر
کیا کہہ گئی نسیم سحر گل کے کان میں

نہ گرد دیوانہ تھا گل بھی کسو کا
کہ پیراہن میں سو جاگہ رفو تھا

کرتی پھرے ہی رسوا سارے جہاں میں مجھکو
گر کوئی بات دل کی بلبل سے میں کہی ہے

اللہ رے عندلیب کی آوازِ دلخراش
جی ہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گل

ہوش اڑ گئے سبھوں کے شورِ سحر سے اس کے
مرغِ چمن اگرچہ یکمشت بال و پر تھا

دل ہی مرغِ چمن کا ٹوٹ گیا
پھول گلچیں نے ہائے کیوں توڑا

کل ہیں جو سیر میں تھا کیسا پھول پھول بیٹھے
بلبل نے لی ہے گویا گلزار سب اجارے

بلبل بھی گل گئی پر مر کر چمن سے نکلی
اس مرغِ شوق کش کی ٹک تم وفا تو دیکھو

کر سیر جذبِ الفت گلچیں نے کل چمن میں
توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل

آئی بہار و گلشن گل سے بھرا ہے لیکن
ہر گوشۂ چمن میں خالی ہے جائے بلبل

انجام کار بلبل دیکھا ہم اپنی آنکھوں
آوارہ تھے چمن میں دو چار ٹوٹے پر سے

برسوں ہوئے دل سوختہ بلبل کو موئے لیک
اک درد سا اٹھتا ہے چمن زار سے اب تک

میر

۶۸۔ صیّاد

قفس تو یاں سے گئے پر مدام ہے صیاد
چمن کی صبح کوئی دم کو شام ہے صیاد

چمن میں میں نہیں ایسا پھنسا کہ یوں چھوٹوں
مجھے تو ہر رگِ گل تار دام ہے صیاد

یہی گلوں کو تنک دیکھوں اتنی مہلت ہو
چمن میں اور کیا مجھ کو کام ہے صیاد

بہت ہیں ہاتھ ہی تیرے نہ کر قفس کی فکر
مرا تو کام انھیں میں تمام ہے صیاد

حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا
اک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا مرا قفس

نسیم آئی مرے قفس میں عبث
گلستاں سے دو پھول لائی نہیں

میر

۶۹۔ موسیقی

کہیں نوبت کو چل کے سنیے گا
نے کے بجنے پہ سر کو دھنیے گا

نوبتی خوش سلیقہ سارے ہیں
نے نوازوں نے جان ماری ہے

آج نوبت کے بجنے پر ہے رنگ — عقل ہوتی ہے سن کے توری دنگ

جھانجھ کے سننے کی رہی ہے جھانجھ
جسم جوں توں کے ہم کریں ہیں سلجھ

میر

۷۰۔ یادِ ایام

جب جنوں سے ہمیں توسل تھا — اپنی زنجیر پا ہی کا غل تھا
بستر اپنا چمن میں جوں بلبل — نالۂ سرمایۂ توکل تھا
اک نگہ کو وفا نہ کی گویا — موسم گل صفیر بلبل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار — یادِ ایام جب تحمل تھا

خوب دریافت جو کیا ہم نے
وقت خوش میرؔ نکہت گل تھا

میر

۷۱۔ انقلاب

کل چمن میں گل و سمن دیکھا — آج دیکھا تو باغ بن دیکھا
میرؔ جنگل پڑے ہیں آج جہاں — لوگ کیا کیا نہیں تھے کل بستے
وہ کسریٰ کہ جب شور تھا جہاں میں — پڑے ہیں گھر آہ ان کے کل آج سونے
جن سے دنیا تھی گئیں جہاں سے مٹ گئے — تم ان کے خیال میں ہو کہ نام و نشاں ہے

یاں خاک سے انھوں کے لوگوں نے گھر بنائے
آثار ہیں جنھوں کے اب تک عیاں زمیں پر

ٹک گورِ غریباں کی کر سیر کہ دنیا میں
ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہوا ہوگا

میر

۷۲۔ بے ثباتی دنیا

کیا کہوں حالِ دردِ پنہانی
وقت کوتاہ و قصہ طولانی

عیش دنیا سے ہو گیا دل سرد
دیکھ کر رنگِ عالمِ فانی

کچھ نہیں جز طلسمِ خواب و خیال
گوشۂ فقر و بزمِ سلطانی

ہے سراسر فریب و وہم و گماں
تاجِ فغفور و تختِ خاقانی

بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب
جامِ جمشید و راحِ ریحانی

لفظ مہمل ہے نطقِ اعرابی
حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی

ایک دھوکہ ہے لحنِ داؤدی
اک تماشا ہے حسنِ کنعانی

نہ کروں تشنگی سے تر لبِ خشک
چشمۂ خضر کا ہو گر پانی

لوں نہ اک مشتِ خاک کے بدلے
گر ملے خاتمِ سلیمانی

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دنیا نے آشنائی کی
اس سے آخر کو کج ادائی کی

تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر — تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ — ہاں قسم ہم کو آشنائی کی
یہ وہ بے مہر ہے کہ جی اس کی — صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظ وصل سے محروم — جس کو طاقت نہیں جدائی کی
خندۂ گل سے بے بقا تر ہے — شان ہو جس میں دلربائی کی
حسن کا سر سے ناروا تر ہے — خوبیاں جس میں ہوں خدائی کی
بات کھوئی رہی سہی افسوس — آج خاقانی و سنائی کی

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خاں غالب مرد

حالی

۴۷۔ آغاز و انجام

سب پھول تھے ایک ہی شجر کے — گویا تھے چراغ سارے گھر کے
وہ ایک جا ہی جگہ پلے تھے — اور حسن کے ساتھ بڑھ رہے تھے
کیا وقت وہ تھا جو سب ہم تھے — عنقا الم و ملال و غم تھے

سب خوش تھے عجب دلوں کو کل تھی
ان کے دم سے چہل پہل تھی

ہاں عاشق زار اور شیدا
ہر شب دستور تھا یہ اس کا

کس پیار سے سوتے میں وہ جھک کے
بوسے لیتی تھی میٹھے میٹھے

رہتے تھے نظر کے سامنے سب
پروانہ تھی سب پہ دن ہو یا شب

ہر چند وہ پھول بے کھلے تھے
کیا کچھ نہیں یاں کے حوصلے تھے

قبروں میں ہیں ہائے اب وہ تنہا
حائل ہیں پہاڑ اور دریا

اس پانی میں ایک کی ہے تربت
جس کی ہے بہت سیاہ رنگت

ہے ایک کی خوابگاہ اے وا
جنگل سنسان امریکہ کا

سنتا ہوں غریب کی لحد پر
ہے سایہ کئے ہوئے صنوبر

اس بحر میں ڈوبا اک اکیلا
پانی جس کا ہے خوب نیلا

اس جا سوتا ہے تہ کے اندر
جس جا سے نکالتے ہیں گوہر

آئی تربت پہ اس کے اصلا
اب کوئی نہیں ہے رونیوالا

اسپین میں ایک سو رہا ہے
اس قبر پہ تاک رو رہا ہے

شمشیر زنی زبس رہی واں
ندی اک خون کی بہی واں

رایت کو لئے تھا کس ہنر سے
باندھے مضبوط تھا کمر سے

دشمن کہیں چھین کر نہ لے جائیں
الٰہی نہ اسے شکست دیجائیں

اک ان میں سے وفن اب وہاں ہے — مہدی کا بڑا شجر جہاں ہے
ہلکے ہلکے ہوا کے جھونکے — مل کر شاخوں سے پھنگیوں سے
برساتے ہیں پتیاں وہ اتنی — چادر بن جائے اک لحد کی
جا کر وہ اطالیہ مری ہے — پھولوں کی جہاں بہار بھی ہے
گھر بھر میں وہی تو اک حسیں تھی — پیاری صورت تھی نازنیں تھی

سوتے ہیں الگ الگ وہ دلبر
جس جا جنہیں لے گیا مقدر

وہ بیٹھے سروں میں اُنکا گانا — گا گا کے ہر اک کا دل لبھانا
ہر وقت ہنسی تھی قہقہے تھے — آپس میں نداق چہچہے تھے

افسوس کہ اب وہی نہاں ہیں
اے موت بتا کہ سب کہاں ہیں

اے موت غضب کا سامنا تھا — ہوتا اندھیر ہائے کیسا
برباد یہ ساری زندگی تھی — مٹی تھی خراب پھر وفا کی

ہوتا جو نہ حشر کا سہارا
ملنے کا طریق اور کیا تھا

(ترجمہ از انگریزی)

سید علی سجاد دہلوی

۷۴۔ خواب راحت

پھول ہی پھول اس پہ برساؤ
آنکھ سے اشک خون نہ ٹپکاؤ

پھول ہی پھول اس پہ برساؤ
ذکر گو۔ و کفن کا مت لاؤ

خواب راحت میں یہ تو سوتی ہے
نیند یہ کب نصیب ہوتی ہے

اعجاز

۷۵۔ عبرت

سرسری مت جہاں سے جا غافل
پاؤں تیرا جہاں پڑے ٹک سوچ

پھیل اتنا پڑا ہے کیوں یاں تو
یار اگلے گئے کہاں ٹک سوچ

جمشید جن نے وضع کیا جام کیا ہوا
وے صحبتیں کہاں گئیں کیدھر وے نا و نوش

جز لالہ اس کے جام سے پاتے نہیں نشان
ہے کوکنار اس کی جگہ اب سبو بدوش

جھومے ہے بید جائے جوانانِ میگسار
بالائے خم ہے خشت سر پیرِ مے فروش

ہر کوئی اس مقام پر دس روز
اپنی نوبت بجائے جاتا ہے

جائے عبرت ہے یہی خاکدانِ جہاں
تو کہاں منہ اٹھائے جاتا ہے

دیکھ سیلاب اس بیاباں کا
کیسا سر کو جھکائے جاتا ہے

میر

۷۶۔ کاسۂ سر

گل دامنِ صحرا میں ہم گزرے جو وقتِ صبح دم
اک کاسۂ سر پر الم آیا نظر اپنے وہیں

بولا بفریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں
تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب ہوئے ہیں زیرِ زمیں

گل برگ سے نازک بدن سر پاؤں سے رشکِ چمن
زریں و سیمیں پیرہن دلکش پر کانوں کی نگیں

دن رات ناز و نعمتیں مہ طلعتوں سی صحبتیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قراں مطرب قریں

باغ و چمن پیشِ نظر بزمِ طرب شام و سحر
ہر سو بکثرت جلوۂ حسنِ بتانِ نازنیں

اک آسماں کے دور سے اک گردشِ فی الفور سے
اب سوچئے کا غور سے ور لحظہ آں و لمحہ ایں

سنتے ہی جی تھرا گیا رخسار پر اشک آ گیا
دل عبرتوں سے چھا گیا خاطر ہوئی بس سہمگیں

اس میں سراپا ناگہاں ہر مو ہوا مثلِ زباں
بولا نظیر آگہ ہو ہاں، من نیز روزے ہمچنیں

نظیر

۷۷۔ ویرانیٔ میخانہ

تفرقہ ہوتا ہے ایسا بھی گل اندام کہیں
مے کہیں شیشہ کہیں ساقی کہیں جام کہیں

عالی

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانہ کو ہم

؟

۷۸۔ حکمت

اتارا تو نے تو سر تن سے اس شامت کے مارے کا
ارے احسان مانوں، سر سے میں تنکا اتارے کا

جسے کہتے ہیں بحر عشق اس کے دو کنارے ہیں
ازل نام اس کنارے کا ابد نام اس کنارے کا

ملے اکسیر گر اس کشت و خوں سے میں نہ لوں ہر گز
مرے مذہب میں خون کرنا ہے کشتہ کرنا پارے کا

نہ پکڑیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم
کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے جینا سہارے کا

سر راہ فنا میں ہوں مہیائے سفر لیکن
برنگ اشک مژگاں منتظر ہوں اک اشارے کا

خریدار اس کی رحمت جنس عصیاں کی ہی گر ہے
جھڑک کر بیچتا ہوں نفع پر سودا خسارے کا

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں
وہ پہلے بزم میں دیکھیں کدھر کو دیکھتے ہیں
گہر کو جوہری، صراف زر کو دیکھتے ہیں
بشر کے دیکھنے والے بشر کو دیکھتے ہیں

بناکے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئینہ گر
ہنر ور اپنے ہی عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

عمر رواں کا تو سن چالاک اس لئے
تجھ کو دیا کہ جلد کرے یاں سے ایڑ تو

یہ تنگنائے دہر نہیں منزلِ فراغ
غافل نہ پاؤں حرص کے پھیلا سکیڑ تو

آوارگی سے کوئے محبت کے ہاتھ اٹھا
اے ذوق یہ اٹھا نہ سکے گا کھکھیڑ تو

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

بے فیض گر ہے چشمۂ آبِ بقا تو کیا
مانگو تو ایک قطرہ نہ آئینہ وار دے

پشّے سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصدِ خوں پہ آوے تو پہلے پکار دے

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے
کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

ذوق

۷۹. غربت

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں

سو شغل ہو پر دھیان لگا رہتا ہی گھر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں

سنگِ غمِ فرقت دلِ نازک پہ گراں ہے
اندوہِ غریب الوطنی کاہشِ جاں ہے

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر

جب ہو سفر خوف و پریشانیٔ خاطر شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
ہر طرح مسافر کیلئے رنج و تعب ہے
رہ جائے پسِ قافلہ تھک کر تو غضب ہے

دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پاؤں کے چھالے منزل پہ پہنچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹوں کو نکالے ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
واماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی

انیس

٨٠. سپاہی کا خواب

دورِ افق پہ گرنے لگے پردہائے شام دینے لگی صدائے بگل امن کا پیام
پہرے پہ مستعد جو کواکب ہوئے تمام فرشِ زمیں پہ لشکریوں نے کیا قیام
جو تھک گئے تھے مائلِ خوابِ گراں ہوئے
گھائل جو تھے وہ ملکِ عدم کو رواں ہوئے

میں بھی گیاہِ خشک کے بستر پہ سو گیا روشن وہیں الاؤ پئے دفعِ گرگ تھا
دی تھی وہ آگ ہم نے سرِ شام ہی جلا لاشیں نہ کھوئی جائیں یہ تھا اس سے مدعا
آدھی بجی تو خواب وہ دیکھا کہ واہ رے
تا صبح تین بار وہ آیا نظر مجھے

دیکھا کہ دور ہوں میں صف کارزار سے
صحرا کو کاٹتا ہوں کسی رہگذار سے
ظاہر اثر خزاں کا ہے ہر شاخسار سے
سورج عیاں ہوا ہے ابھی کوہسار سے

اور میں رواں ہوں جانب کاشانۂ پدر
لیتا ہے وہ بلائیں مری رہ میں آن کر

جب کھیت وہ سہانے سہانے نظر پڑے
جو سیرگاہ تھے مری فصلِ شباب کے
بے اختیار دوڑ پڑا فرطِ شوق سے
نقشے پرانے سب مری نظروں میں پھر گئے

آواز بکریوں کی وہی تھی چٹان پر
جاری وہی تھے گیت کساں کی زبان پر

پہنچا میں اپنے گھر جو بصد شوق بیقرار
مل مل کے مجھ سے روتے تھے احباب زار زار
وعدہ کیا کہ اب نہ میں جاؤں نگار نیہار
سر سے بطور عہد پیا جام خوشگوار

بچوں نے چوم چوم کے تتلائیں الفتیں
بیوی نے آہ کھینچ کے کیں لاکھ منتیں

للہ اب نہ جاؤ یہاں سے یہیں رہو
کافی سہے ہیں رنج، بلائیں نہ اب سہو
جھیلی ہیں سختیاں بہت آرام بھی تو لو
ہیں خستہ جاں بھی سن کے یہ بولا کہ جو کہو

لیکن مؤذن صبح نے مجھ پر ستم کیا
بیوی تھی وہ نہ بچے نہ یار و آشنا

محروم

٨١- ماں کی آس مراد

دل سے اس ماں کے کوئی آس کی خوشیاں پوچھے
منتیں مان کے بچے کو ہو پایا جس نے

کس کس انداز سے لیتی ہے بلائیں اس کی
کس کس امید پہ جاں اس پہ ہے قربان کرتی

بوسہ لیتی ہے کبھی اس کی جبیں کا خوش ہو
وہ وہ پھر گود میں لے کر ہے پلاتی اس کو

کبھی گہوارے میں لیٹا کے سلاتی ہے اُسے
پھر اٹھا کر کبھی چھاتی سے لگاتی ہے اسے

پھر وہ اس کو ہے اک انداز سے لوری دیتی
بھینی بھینی عجب آواز سے لوری دیتی

رہتی ہے دھن میں اسی کی وہ غریب آٹھ پہر
گھٹنوں چلنے لگا جب وہ ذرا لختِ جگر

ہم تو رستے میں ہی اس کے وہ بچھاتی آنکھیں
پاؤں اور گھٹنوں سے اس کے ہے لگاتی آنکھیں

واری جاتی ہے کبھی ہوتی ہے قربان کبھی
کبھی دل اس پہ فدا کرتی ہے اور جان کبھی

کرتی ہے سالگرہ اس کی بڑی دھوم سے وہ
جی کو خوش کرتی ہے اس شاد سے معصوم سے وہ

پوری کرتی ہے سبھی اپنے وہ دل کے ارماں
سارے کنبہ کو بلاتی ہے گھر اپنے مہماں

سو سو انداز سے کرتی ہے وہ بچے کا سنگار
دیکھتی ہے وہ پھر امید کی خوشیوں کی بہار

جوں جوں بڑھتا ہے اسی طرح وہ اس کا فرزند
ہوتی جاتی ہے امیدوں کی خوشی بھی صد چند

پھر وہ پڑھنے کیلئے رکھتی ہے تاکید مدام
ہر طرح سے اسے دیتی ہے ہمیشہ آرام

کہتی ہے اس کو خدا جلدی سے پروان چڑھائے
چھوٹی سی عمر میں بچہ مرا قابل ہو جائے

جب وہ لکھ پڑھ کے ہوا نیکی بدی سے آگاہ
کرتی ہے وہ بڑی تیاری سے پھر اس کا بیاہ

ہوتی ہے باپ کو بھی گرچہ بہت سی ہی خوشی
پر کہاں اس کو ہوا کرتی ہے ماں کی سی خوشی

اشرف

۸۲۔ طالب علم کی اُمید

ہیں کتب خانۂ ہستی میں بہت صاحب علم
اور بہت مدرسۂ دہر میں ہیں طالب علم

سوزِ محنت سے بہاتے ہیں پسینے اپنے
حسرتوں سے کئے لبریز ہیں سینے اپنے

نہ تو کھانے کا ہے کچھ فکر نہ پانی کا خیال
ذوقِ راحت ہی نہ ہے لطفِ جوانی کا خیال

ہو گئے وصل کتابوں میں ہیں وصلی کی طرح
بلکہ پیوند ورق ہیں جزِ اصلی کی طرح

پھرتے دن بھر ہیں کتابیں لئے سودائی سے
ہاتھ اٹھا بیٹھے اسی شغل میں بینائی سے

تن کو راحت نہیں اور جان کو آرام نہیں
دن ہو یا رات انہیں محنت کے سوا کام نہیں

روز و شب خونِ جگر اپنا جو کھاتے ہیں وہ
اور بلا بارِ مشقت کی اٹھاتے ہیں وہ

ان مصائب کی ہی تو ہی انہیں طاقت دیتی
لطفِ انجام سے ہے حسن دیانت دیتی

دیدۂ دل میں لگا دیتی ہے سرمے کیا کیا
دیتی ہے شاہدِ مقصود کو جلوے کیا کیا

اہلِ تصنیف کو ہے عمر دوامی دیتی
بادۂ شوق سے ہے عیش مدامی دیتی

سطحِ کاغذ پہ تو اک باغ کھلا دیتی ہے
برگ و بار اس میں مرادوں کے لگا دیتی ہے

ہوتے شاداب ہیں ولہائے فسردہ ان سے
تازہ دم ہوتے ہیں سب کے دلِ مردہ ان سے

آزاد

۸۳ - غریب طالبِ علم

بے کسی پر ان کی اے ناداں نہ جانا چاہیے
رحمتِ حق کے لیے آخر بہانا چاہیے

ان غریبوں میں بہت سے صاحبِ اقبال ہیں
نقدِ استعداد ہے قبضہ میں مالا مال ہیں

دیکھنا اوجِ شرف پر جلوہ گر ہو جائیں گے
یہ ستارے ایک دن شمس و قمر ہو جائیں گے

ان غریبوں میں کوئی نقادِ علم و فن نہ ہو
بو علی سینہ نہ ہو ان میں کوئی بیکن نہ ہو

رودکی ان میں نہ ہو دیکھو کوئی جامی نہ ہو
ان پھٹے کپڑوں میں فردوسی نہ ہو ہومر نہ ہو

کیا کوئی بھی صاحبِ فہم و ذکا ان میں نہیں
کیا خبر تجھ کو معلم تیسرا ان میں نہیں

کیا عجب ان میں مجدد یا مدقق کوئی ہو
شاید علامہ ہو ان میں یا محقق کوئی ہو

جوہرِ فنِ سخن شاید کسی کے پاس ہو
تجھ کو ناداں کیا خبر ہے ان میں کالیداس ہو

دیکھنا اللہ کی ذرہ نوازی دیکھنا
ان میں سے نکلے گا کوئی فخرِ رازی دیکھنا

ایک دن یہ صاحبِ علم و عمل ہو جائیں گے
سینکڑوں مشکل مسائل ان سے حل ہو جائیں گے

دیکھنا اللہ کی قدرت یہ کیا ہو جائیں گے
چار دن میں ملک کے حاجت روا ہو جائیں گے

مرزا ہادی

٨٤ - روزِ عید

جہاں میں روشنیِ صبح بھی نہ پھیلی تھی
خوشی میں دیدی موذن نے پہلے ہی سے اذاں

گھروں میں بچے جو پچھلے پہر سے جاگے تھے
ہیں شوقِ عید میں بیتاب انکو نیند کہاں

اذاں کی سنتے ہی کہتے ہوئے یہ اٹھ بیٹھے
کریں گے غسل سویرے سے کپڑے لا اماں

کہا کسی نے کہ سردی ہے دھوپ تو نکلے
مچل کے بولے نہائیں گے ہم ابھی ہاں ہاں

وہ دیکھو صبح بھی اب صاف ہو گئی ظاہر
ہوا وہ مطلعِ مشرق سے مہر نور افشاں

ہر ایک سمت سے ظاہر خوشی کے ہیں آثار
ہے آج جمع مسرت کا ہر طرف ساماں

ہر اک ہے بننے سنورنے کی فکر میں مصروف
بنا ہوا ہے خوشی کا چمن ہر ایک مکاں

وہ دیکھو غسل کوئی کر رہا ہے ہنس ہنس کے
بدل رہا ہے کوئی کپڑے اور ہے شاداں

سنور رہا ہے کوئی مل رہا ہے عطر کوئی
کوئی حسین ہے آئینہ دیکھ کر نازاں

لو آفتاب بھی اب ہو گیا کچھ اور بلند
نماز کے لیے نکلا ہر ایک خورد و کلاں

کوئی فٹن پہ ہے بگی پہ کوئی ٹمٹم پر
پیادہ ہے کوئی سوئے عیدگاہ رواں

بغل میں کوئی لئے جا رہا ہے بچوں کو
کسی کی تھامے ہوا انگلی طفلِ ابجد خواں

وہ کون ہے کہ نہیں آج جس کے دل میں خوشی
وہ کون ہی کہ ہنسی ہو نہ ہو جس کے لب پہ عیاں

انجم

٨٥- ایک یتیم کی عید

عید کے دن جب خوشی تھی ہر طرف پھیلی ہوئی — ایک بچی چھوٹی سی کوٹھے پہ اپنے چڑھ گئی
اس نے دیکھا اپنے ہمسایہ کے گھر کا ماجرا — یعنی تھا محو خود آرائی ہر اک چھوٹا بڑا
ایک جانب تھیں سویاں اک طرف کھانے چنے — کھا رہے تھے بیٹھے بیحد شوق سے چھوٹے بڑے
باپ سے بچے لپٹ جاتے نہایت شوق سے — باپ بھی ان کو محبت سے لگا لیتا گلے
بچی بچے کا یہی شکوہ تھا ہیم باپ سے — آج تو ہم اتنی کم عیدی نہ لیں گے آپ سے

جگمگاتی پھر رہی تھیں چھوٹی چھوٹی بچیاں
دیکھ کر خوش ہو رہے تھے دل ہی دل میں باپ ماں

دیکھ کر یہ حال لڑکی کوٹھے سے آئی اتر — اور لپٹ کر ماں سے یوں کہنے لگی با چشم تر
آپ نے اماں سویاں تک نہ دیں مجھ کو پکا — ایک پیسہ بھی نہ عیدی کا مجھے اب تک ملا
حال میرا آپ آخر دیکھتی ہیں یا نہیں — عید کے دن بھی مرے تن پر نیا کپڑا نہیں
اوڑھنی کو دیکھیے ہے کس طرح سے تار تار — پائجامے میں نہیں پیوند کا کوئی شمار

دیکھئے کرتے کو اس کا بھی تو دامن چاک ہے
جب یہ کپڑوں کی حالت عید کیا پھر خاک ہے

ہاتھ اس کے سر پہ رکھ کر ماں لگی کہنے کہ ہا — اے مری بچی اگر دیتا مجھے بھی کچھ خدا
کیوں تجھے ترساتی میں اے جان بے مانگے ہوئے — کیا تجھے کپڑے بنا دیتی نہ بے بے عید کے

تجھ پہ قربان جاؤں اے مری نورِ نظر
سچ تو یہ ہے تیری ہی دم سے اجالا ہے گھر
سینکڑوں ارماں ہیں سینے میں لاکھوں حسرتیں
ہاتھ ہی خالی ہو جب اپنا تو آخر کیا کریں
کڑھ رہی ہوں دل ہی دل میں تیری حالت دیکھکر
چھوٹ جاؤں غم سے مرجاؤں اسی غم میں اگر
سن کے دکھیا ماں کی وہ باتیں پریشاں ہوگئی
ڈال کر باہیں گلے میں اس طرح کہنے لگی
تم کو رنجیدہ اگر کرتی ہیں یہ باتیں مری
لو قسم کھاتی ہوں اماں اب نہ مانگوں گی کبھی
تم انھیں کپڑوں کو سی دو گی تو خوش ہو جاؤں گی
ٹکڑے کا سی روٹی ہی کے شوق سے میں کھاؤں گی
ریس اوروں کی کروں گی اب نہ اماں جان میں
میں ہوں بن آپاکی اور ابکی تو آپا جان ہیں
اک سہارا میرا لے دے کے تمہاری ذات ہے
میں کڑھاؤں تم کو آخر یہ بھی کوئی بات ہے
لڑکیو ہر وقت مانگو تم خدا سے یہ دُعا
عمر بھر سایہ تمہارے سر پہ ہو ماں باپ کا
ہے دعا تجھ سے اڈیٹر کی بھی اے پروردگار
ہو جدا اماں باپ سے اپنے نہ کوئی رہنہار
محمدی بیگم
(بعد نظر ثانی از سید محمد ہادی مچھلی شہری)

۸۶۔ ہجو اکول

ایک برخور آشنا بے پیر
سینہ سوراخ جس سے ہی کفگیر
معدہ مثنی دیگ ہے شکم اس کا
نفس اژدہا ہے دم اس کا

آنت شیطاں کی ہے اسکی آنت — دانت اس کا ہی ہاتھی کا سا دانت

گال پچکے سے پھر توے سے سیاہ — کاسۂ سر ہے جیسے اوندھا کڑاہ

توند کالی جو کھول جاوے ریت — آہنی ہے تنور اس کا پیٹ

وہ مطبخ میں پاوے ہے جو کبھی — چاٹ جاتا ہے دیگچوں تک بھی

کھانا نکلے پر آوے ہے کیسے — چیل ٹوٹے ہے گوشت پر جیسے

کیا وہ دو پیازہ کھا کے ہو تازہ — اک نوالا ہے ملا دو پیازہ

خام طمعی سے اک کرے ہے آہ — دیکھ کر شب کو نانِ ہالۂ ماہ

کھانے پر جب وہ جی چلاتا ہے — لاٹھی پاٹھی بھی کھائے جاتا ہے

بھوکا باؤلا جو آتا ہے — لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے

بھوک سے جب کہ غصے میں آوے — بز کوہی کی طرح جھنجلاوے

ہنڈیوں کو نہ کیکہ کھا جاوے — چنے لوہے کے بھی چبا جاوے

وہ قضارا مرا ہوا مہماں — کھا گئی اس کی میزبانی جاں

گھر میں جو کچھ تھا بیچ منگوایا — کھانا اس کے لئے میں پکوایا

کتنا کھانا بیاں کروں تجھ سے — جس پہ سو میہماں کروں تجھ سے

مجھ سے تھی روزگار سے ان بن — خوب کھانا تو مجھ پہ ہے روشن

چار من گاجروں کا قلیہ تھا — دہ منی دیگ بیچ دلیا تھا

روٹیاں کس قدر بتاؤں میں — جس کو دو چار سال کھاؤں میں

تھی ابھی روٹیونکی چپیٹ کی چپیٹ
میں رہا کہتا کھا گیا وہ سمیٹ

کھانا کوئی اور کیا کہے اس کا
سارے منہ دیکھتے رہے اس کا

عقل باور اگرچہ کرتی نہیں
وہ مرے بھوک اس کی مرتی نہیں

جب مرے گا وہ بھوک کا روگی
روح توشے کی روٹی میں ہوگی

میر

۸۷۔ بسیار خور

جو اسے میہماں بلاوے ہے
آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے

بولتا آوے ہے قدم بقدم
کہو کھانے کو جلد دیویں دم

نہ سلام علیک نہ کچھ بات
صاحب خانہ سے کرے بد ذات

بیٹھتے ہی نکالے ہے یہ ذکر
پیٹ کی میرے تم کو ہے کچھ فکر

بھوک کچھ اندنوں ہی کم میری
روٹیاں سو پچاس ادھ سیری

نان با کو کہو یہ بلوا کر
جلد ان کو تنور لگوا کر

جب تلک کھانے پکیں سارے
ان ہی کو لاکے میرے سر مارے

جتنے دنیا کے بیچ ہیں اشکال
اشتہا ان میں تھامنا ہے محال

جب تلک کھانا آوے ہی آوے
اسی کپ یک میں جان کھا جاوے

کھانا آوے تو اس طرح لوٹے
جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

مارے لقمے تو اس طرح بدذات — جیسے جھاڑے کوئی کپڑے کی لات
وہ جو تو کر کھڑے ہوں جس بک کے — منہ کو حیراں ہوں تکنے میں اسکے

دیگچے جب یہ چاٹ کر چھوڑے
منہ کو کھانے سے موڑے تو موڑے

سودا

۸۸- ہجو طبیب

کتنے ہی بیمار تھے اور ایک گھر — سو ہی تو وہ گور سے تھا تنگ تر
آن کے بیٹھا وہ ستمگار جب — گرد ہوئے اس کے یہ بیمار سب
چھوٹتے ہی اک شخص کی دیکھی جو نبض — کہنے لگا تجھ کو بشدت ہے قبض
کچھ نہیں کرنے کا بجز اس کے سود — لکھ دیا یہ کہہ کے سفوفِ یہود
اور غذا اس کو یہ بتلائی دُرست — ماش کی روٹی سے تو کھا ساگ پوست
صاحبِ پیچش کو بتایا کنول — واسطے ہیضہ کے لکھا اسبغول
لکھ دیا مجنوں کو شیرِ شتر — کہہ دیا مستقی کو جا فصد کر
پوچھا جو اس نے کہ غذا کیا کہی — ساتھ گلبھتی کے کہا کھا دہی
بیٹھ کے پھر پاس وہ اک ڈولی کے — نبض کی دیکھوں میں لا ہاتھ دے
دیکھ چکا نبض کو جب بے تمیز — خادمہ سے اس کی کہا اے کنیز
درد کمر اس کو ہے یا درد سر — پر مجھے نقرس کا ہے ڈر بیشتر

کر کے پھر آخر کو مقرر سرع
کہنے لگا دو اسے مار العقرع
اور جو کھانے لگے اس کو تو د
کچھ نہ اسے دیجیو جز آش جو
کہنے لگی سن کے یہ کیا قہر ہے
واسطے اس کے یہ دوا زہر ہے
لقوہ و فالج اسے ہے پیر زال
کرتے ہو کیوں قتل کا اس کی خیال
لقوہ و فالج ہو جسے یا صرع
دیجئے اس کے تئیں مار العقرع

سودا

۸۹۔ کنجوس منحوس

ایک فرزند یہ رکھے تھا اولاغ
سارے گھر کا تھا اسکے چشم و چراغ
اس نے اک روز یہ حماقت کی
آشنا اپنے کی ضیافت کی
نہ ضیافت کہ جس میں ہو نگرس
اک رکابی طعام و دیگر بس
سن یہ یوں پیش آیا یہ مردود
یاد آیا اسے چھٹی کا دود
چاہتا تھا کرے یہ اس کو عاق
اور ماں کو بھی اس کے دلوے طلاق
بارے لوگوں نے آکے سمجھایا
تب یہ جورو کے حق میں فرمایا
پھر اس کے عوض یہ کیوں نہ جنی
کاش پھنس مرتا دین یہ ناشدنی
یا وہ مجھ سے تو لا ولد بہتر
میرا بیٹا اور اس قدر ابتر

اس کا دادا بھی گرچہ تھا عیاش　　اس سلیقہ سے پر کرے تھا معاش

جو کوئی اس کے گھر میں نوکر تھا　　رات کو اس پہ یہ مقرر تھا

پھرتا وہ ٹکڑے مانگتا گھر گھر　　لاتا آقا کے آگے جھولی بھر

اچھے چن چن کے آپ کھاتے تھے　　بُرے تنخواہ میں لگاتے تھے

پیدا جو کر گئے تھے یوں اجداد　　سو یہ بدبخت دے ہی یوں برباد

جانتا تھا میں آپ ہی کو فضول　　پھر یہ مجھ سے بھی نکل نامعقول

گر دے پیسے یہ سب اڑاوے گا　　اینٹیں تک بیچ بیچ کھاوے گا

اس کی دادی کے باپ کا اک روز　　آشنا تھا سو وہ نپٹ دلسوز

لایا کھچڑی پکا شراکت سے　　دونوں کھانے لگے رفاقت سے

اس میں اک دو لئے نوالے بڑے　　جدِ مرحوم وو ہیں ہو کے کھڑے

لگے کہنے نہیں شراکت نیک　　میرے سو لقمے اور تیرا ایک

تھی بزرگوں کی اپنے تو یہ چال
کرتی ہیں یاں ضیا فتیں پامال

سودا

۹۰۔ (ووٹ) کی لوٹ کھسوٹ

کچھ اتنے میں دو بابو صاحب ادھر — چلے آرہے تھے بصد کرّ و فر
کیا طالبِ ووٹ نے جھٹ سلام — اور بعد اس کے کرنے لگا یوں کلام
کہاں آپ تشریف لیجاتے ہیں — ابھی آپ کے گھر سے ہم آتے ہیں
کئی بار پہلے بھی حاضر ہوا — مجھے آپ سے ایک بڑا کام تھا
مخاطب نے سُن کر دیا یہ جواب — جو کچھ کام ہو مجھ سے کہئے جناب
مرے کرنے لائق جو ہوگا وہ کام — تو کروں گا میں اسکو بس لاکلام
تو بولے وہ بابوئے شیریں کلام — کہ اے بھائی تجھ سے ہے اک سخت کام
مصیبت میں اس وقت کام آیئے — کہیں سے مجھے ووٹ دلوایئے
کہ تا میں میونسپل کمشنر بنوں — وصیت کو فادر کی پوری کروں
مرا باپ جب وقت مرنے لگا — کہا اس نے پاس اپنے مجھ کو بلا
میونسپل کمشنر مگر ہو جیو — کبھی تم نہ اس کام میں چوکیو
جو کچھ چھوڑ جاتا ہوں میں مال و زر — اسی کام میں صرف ہو اے پسر
اسی وجہ سے اے مرے بھائی جی — بہ مجبوری میں نے حماقت یہ کی
نا جب الیکشن کا وقت آگیا — تو میں نے بھی درخواست لکھ کر دیا
خلاصہ جو تھا حال سو کہہ دیا — مجھے تینوں ووٹ اپنے کیجے عطا

مخاطب سے ہی کر کہا صد بار — نہیں جاتے تھے آپ میرے مکاں

کہ جاتا ہوں اب یہ جیب اسود ہم
کسو جگہ سے ہے جو کر دیجے کام

غرض اس ہجوم میں اس وقت — چلے آئے میں وہ وقت کی اپنی بات
بہت لوگ ہیں وقت کی تاک میں — وہ ولیکن تم کو کہیں خاک میں
وہ اللہ جانے کہیں بات میں — پھرا کرتے ہیں جو کہ اس گھات میں
یہ قول اس کا کہ گھر جنوں کا وقت — ایک اس روپ کا ملے تم کو وقت
جو کچھ چاہو منہ سے پھر ہے پڑا — جیسی وہ بڑی وہ بیسا بڑا
تو بندہ وکے فیہ میں ہو جاؤ پیش — وہ ملا ہو تو کر کر پیشت گھنیش
سلامی ہم کے دو زیب ہو — تو تو بس چاؤ اور پچھے چھچھو
جو ہم بھی تیا یہ نہ و پر سوار — ایک ملک کے سیہ اس کی بیکھر بیدار

کسی طرح سے لے کے جاؤ وہاں
کرو وہ وقت سے اس کو تم شادماں

۶

۴

ادب عالیہ

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:- ذیل میں شعرا کے متعلق جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع آئندہ میں کل حالات مکمل ہو جائیں گے۔

۱۔ آزاد ۔ سید محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت سنہ ۱۸۳۱ء وطن دہلی ۔ وفات سنہ ۱۹۱۰ء ۔ مدفن لاہور — صفحہ

(۸۲) طالب علم کی اُمید — ۱۰۰

۲۔ اسمٰعیل :- مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت سنہ ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات سنہ ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

(۲۴) مُرَوّجہ شاعری - - - - - - - - - - - - - -

۳۔ اشرف ؟

ولادت وطن

(۱۸) ماں کی آس مراد

۴۔ اعجاز ۔ میر اعجاز حسین صاحب

ولادت وطن

(۲۷) خواب راحت

۵ - اقبال - ڈاکٹر شیخ محمد اقبال
ولادت ۱۸۷۷ء وطن سیالکوٹ

(۳۶) شب و شاعر

۶ انجم - نور محمد صاحب
ولادت وطن

(۸) روز عید

۷ - انیس - میر ببر علی صاحب
ولادت ۱۲۱۶ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۲۹۲ھ مدفن لکھنؤ۔

(۲۲) شاعر کی شکایت

(۷۹) غربت

۸ - حالی - خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم
ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

(۳۱) غالب

۹ - حفیظ ؟
ولادت وطن جونپور

(۲۳) شاعری

۱۰ - درد - خواجہ میر صاحب مرحوم
ولادت ۱۱۳۱ھ وطن دہلی وفات ۱۱۹۹ھ مدفن دہلی۔

(۱۸) میر درد

۱۱ - ذوق - شیخ محمد ابراہیم صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۰۴ھ وطن دلی وفات ۱۲۷۱ھ مدفن دلی

(۷۸) حکمت

۱۲۔ سودا - مرزا محمد رفیع صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۰ھ وطن دلی وفات ۱۱۹۵ھ مدفن لکھنؤ۔

(۱۹) مرزا سودا

(۲۰) قصیدہ گوئی

(۸۸) ہجو طبیب

(۸۹) کنجوس منحوس

(۸۷) بسیار خور

۱۳۔ سید علی سجاد صاحب دہلوی

ولادت وطن دلی

(۷۳) آغاز و انجام

۱۴۔ صادق ؟

ولادت وطن

(۲۷) شاعر کا دل

۱۵۔ ظفر - سراج الدین بہادر شاہ مرحوم

ولادت وطن دلی وفات مدفن رنگون

(۲۱) ظفر

۱۶۔ عالی - محمد اسمٰعیل خاں صاحب

ولادت وطن خورجہ

(۷۷) ویرانیٔ میخانہ

۱۷ - عزیزہ خاتون صاحبہ

ولادت وطن علی گڑھ

(۵۴) دردِ دل

۱۸ - غالب - مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دلی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلی

(۱۵) معذرت

(۱۶) عرضداشت

(۱۷) گزارش

۱۹ - کیفی -

ولادت وطن

(۲۵) نیچر کا شاعر

۲۰ - محروم - منشی تلوک چند صاحب

ولادت ۱۸۸۵ء وطن عیسیٰ خیل (پنجاب)

(۸۰) سپاہی کا خواب

۲۱ - محمدی بیگم صاحبہ مرحوم اڈیٹر تہذیب النسواں

ولادت وطن وفات مدفن لاہور

(۸۵) ایک یتیم کی عید

۲۲ - عزیز - مرزا محمد ہادی صاحب پروفیسر

ولادت وطن لکھنؤ -

(۳۸) غریب طالب علم

۲۳ - میر - میر تقی صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن اکبرآباد وفات ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنؤ

۱- میر تقی میر

(۲) کلام

(۳) فسانۂ میر

(۴) بے کلی

(۵) گداز الفت

(۶) سرد مہریِ روزگار

(۷) شکایت زمانہ

(۸) خلق خدا ملک خدا

(۹) شکایت حاسد

(۱۰) ظاہرداری

(۱۱) شکایت بدعہدی

(۱۲) مذمت خزانچی

(۱۳) شکایت الفت

(۲۸) عشق

(۲۹) پروانۂ حسن

(۳۰) جذب محبت

(۳۱) کرشمۂ عشق

(۳۲) اضطراب عشق

(۳۳) عنقائی عشق

(۳۴) نیرنگیِ عشق

(۳۵) امتحان محبت

(۳۶) جنونِ فراق

(۳۷) شعلۂ عشق

(۳۸) سیلاب عشق

(۳۹) حسن

(۴۰) بیداری ناز

(۴۱) نگاہِ الفت

(۴۲) آرزوئے الفت

(۴۳) خواب عاشق

(۴۶) بے زبانی

(۴۷) قاصد

(۴۸) کیفیت عشق

(۵۰) رازِ عشق

(۵۱) احوال عشق

(۵۲) دل

(۵۵) اضطراب

(۵۶) کوئے یار

(۵۷) وارفتگی

(۵۸) بے قراری

(۵۹) الفراق

(۶۰) شب فرقت

(۶۱) غم عشق

(۶۲) بیتابی عشق

(۶۳) انجام محبت

(۶۵) میدان عشق

(۶۷) گل و بلبل

(۶۸) صیاد

(۶۹) موسیقی

(۷۰) یاد ایام

(۷۱) انقلاب

(۷۲) بے ثباتی دنیا

(۷۵) عبرت

(۸۶) ہجو اکوال

۲۴- نظیر - شیخ ولی محمد صاحب مرحوم

ولادت وطن اکبرآباد وفات مدفن اکبرآباد

(۵۱) کسی حسین کو درپردہ تنبیہ

(۶۳) سوز فراق

(۷۶) کاسۂ سر

۲۵- ھادی - سید محمد ہادی صاحب وکیل

ولادت [illegible] وطن مچھلی شہر

(۵۲) آفت دل

۲۶. ؟

(۴۳) شکوۂ ناز

(۷۷) ویرانیٔ میخانہ

(۹۰) وقت کی لوٹ کھسوٹ

جذبات فطرت

ادب عالیہ

مرتبہ

محمد الیاس برنی

جلد چہارم

زیر نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم۔ اے

کتب خانہ نذیریہ، مسلم منزل، کھاری باؤلی، دہلی

قیمت ۔۔ عہ/

مطبوعہ

انڈیا ایتھو پریس بھوجلہ پہاڑی

(دھلی)

جذبات فطرت

ادب عالیہ

جلد چہارم

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جذبات فطرت

ادبِ عالیہ

جلد چہارم

۱۔ اسرارِ محبت

مانے ہیں کسے واقفِ اسرارِ محبت — پوجیں نہ خدائی کو پرستارِ محبت

آتش ہے تری گرمیٔ بازارِ محبت — کیا لے گا بجز داغ ۔ خریدارِ محبت

کیوں مجھ کو نہ مارا غمِ دوری نے تری آہ — کس منہ سے کروں گا میں پھر اظہارِ محبت

کرتے ہیں اسیرِ قفس و دام بھی فریاد — لے سکتے نہیں سانس گرفتارِ محبت

کیوں کر نہ کراہے وہ بھلا ۔ ناصح بیدرد — جس دل میں کھٹکتا ہو پڑا خارِ محبت

دعویٰ مری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے
بچتے ہی نہ دیکھا کوئی بیمارِ محبت

ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم
گردن زدنی ہے سو گنہ گارِ محبت

روتی تھی مرے حال پہ بے مہریٔ افلاک
جس روز کیا تجھ سے میں اقرارِ محبت

سودا

۲۔ ماہیتِ دل

جا کے پوچھا جو میں یہ کارگہِ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہی شیشہ

کہنے لاگے کہ کدھر پھرتا ہے بہکا اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یاں ہی شیشہ

دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشہ کی بنائی ہے کہاں ہے شیشہ

میر

۳۔ دل

کس سے جا اٹکا ہے دل ہیر عجب دیوانہ ہے
شورِ محشر ایک حسن کی شوخیِ جانانہ ہے

قدر سمجھے وسعتِ دل کی نہ شیخ و برہمن
ورنہ دونوں کے لئے ہم کعبہ ہم بتخانہ ہے

۵۔ وحشتِ دل

پروازِ گلستاں کے تو شائستہ نہ نکلے — پروانہ نمط آگ ہم اب دیں گے پروں کو
پیراہنِ صد چاک سلاتے ہیں مرا لوگ — تہ ہے نہیں مطلق خبر ان بے خبروں کو
اس باغ کے ہر گل سے چپک جاتی ہیں آنکھیں — مشکل بنی ہے آن کے صاحب نظروں کو
آدابِ جنوں چاہیئے ہم سے کوئی سیکھے — دیکھا ہے بہت یاروں نے آشفتہ سروں کو

اندیشہ کی جاگہ ہے بہت میرؔ جی مرنا
درپیش عجب راہ ہے ہم نو سفروں کو

میر

۶۔ جذبِ عشق

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفتِ جاں کو — خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

شیخ نے اس بت کو جس کوچہ میں دیکھا شام کو — لے چراغ اب ڈھونڈے ہے واں تا سحر اسلام کو

تا دوئی ہے وزیاں لاف آشنائی کا غلط
آشنا اس سے ہے وہ جو آپ سے بیگانہ ہے

دکھ دہند اور بھی ہیں لیک کسو نے کوئی
دل سا بھی در پئے آزار کہیں دیکھا ہے
پھرے ہے کوچہ و بازار میں تو کیوں سودا
جنس دل کا بھی خریدار کہیں دیکھا ہے

لینا جو شیشۂ دل منظور ہے۔ تو یہ ہے
ثابت جو ہے تو یہ ہے۔ گرچور ہے تو یہ ہے

سودا

۴۔ طائرِ دل

اُٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ میں جوشِ وحشت میں
پھرا آسیمہ سر گھبرا گیا تھا دل بیاباں سے
نظر آیا مجھے اک طائرِ مجروح پر بستہ
ٹپکتا تھا سرِ شوریدہ دیوارِ گلستاں سے
کہا میں نے کہ او نا کام! آخر ماجرا کیا ہے؟
پڑا ہے کام تجھ کو کس ستمگر آفتِ جاں سے؟
ہنسا کچھ کھل کھلا کر پہلے۔ پھر مجھ کو جو پہچانا
تو یوں رویا کہ جوئے خوں بہی پلکوں کے داماں سے
کہا میں صید ہوں اس کا کہ جس کے دام گیسو میں
پھنسا کرتے ہیں طائر روز آ کر باغِ رضواں سے
اُسی کے زلف و رخ کا دھیان ہے شام و سحر مجھ کو
نہ مطلب کفر سے ہے اور نہ ہے کام ایماں سے

بہ چشمِ غور جو دیکھا مرا ہی طائرِ دل تھا
کہ جل کر ہو گیا یوں خاک اپنی آہ سوزاں سے

غالب

جن کے دامن تھے نمازی سوئے کوچے ہیں
ان کے خرقوں کے گریبان پھٹے جاتے ہیں

گردش سے اس نگاہ کی اے محتسب خبر
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی

سودا

۷. شیخ جی سے چھیڑ چھاڑ

شیخ جی آؤ مصلےٰ اگرو جام کرو
جنس تقویٰ کے تئیں صرفِ مے جام کرو

فرش مستاں کرو سجادۂ بے تہ کے تئیں
مے کی تعظیم کرو شیشہ کا اکرام کرو

دامنِ پاک کو آلودہ رکھو بادہ سے
آپ کو مغبچوں کے قابلِ دشنام کرو

نیک نامی و تفاوت کو دعا جلد کہو
دین و دل پیش کشِ سادۂ خودکام کرو

خوب اگر جرعۂ مے نوش نہیں کر سکتے
خاطرِ جمع مے آشام سے یہ کام کرو

اٹھ کھڑی ہو جو جھکے گردنِ مینائے شراب
خدمتِ بادہ گساراں ہی سرانجام کرو

مطرب آ کر جو کرے چنگ نوازی تو تم
رہن مستوں کی تقلید سے انعام کرو

خنکی اتنی بھی تو لازم نہیں اس موسم میں
پاس جوشِ گل و دل گرمیِ ایام کرو

آہ تا چند رہو خانقہ و مسجد میں
ایک تو صبح گلستان میں بھی شام کرو

رات تو ساری گئی سنتے پریشاں گوئی
میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

میر

۸۔ دل

کھنچتا ہے اس طرف ہی کو بے اختیار دل
دیوانہ دل بلا زدہ دل بے قرار دل

آزردہ خاطری کا ہماری نہ کر عجب
اک عمر ہم رہا کیے ہیں مار مار دل

ہم سے جو عشق کشتہ جبیں تو عجب ہے میر
چھاتی ہے داغ ٹکڑے جگر کے فگار کے

میر

۹۔ دل

قوی دل شادماں دل پارسا دل
ترے عاشق نے بھی پایا ہے کیا دل

لگا دو آگ عذرِ مصلحت کو
کہ ہے بیزار اس شے سے مرا دل

جفا کاری ہے تسلیم ستم بھی
نہ ہوگا تابعِ جور و جفا دل

غلط ہے قول عقلِ مصلحت کوش
نہ اس جانب کرے گا اعتنا دل

لگا کر آنکھ اُس جانِ جہاں سے
نہ ہوگا اب کسی سے آشنا دل

مٹے افکار گوناگوں کے جھگڑے
ترے غم کو نہ دے کیوں کر دعا دل

نہ پہنچے گی کبھی کیا گوشِ گُل تک
قفس سے اڑ کے فریاد عنادل

توانائے صداقت ہے تو ہرگز
نہ ہوگا پیروِ باطل مرا دل

بڑی درگاہ کا سائل ہوں حسرت
بڑی امید ہے میری بڑا دل

حسرت

۱۰۔ سراپائے عشق

زرا عشق اُدھر دیکھے بھالے ہوئے
قدم او ستمگر سنبھالے ہوئے

نہ چلنا کہیں وہ قیامت کی چال
کہ لاشے شہیدوں کے ہوں پائمال

جو تو رہنما ہے تو رہزن ہے کون
تجھے دوست سمجھیں تو دشمن ہے کون

نظر بند تیرے ستائے رہیں
مگر آنکھیں چتون چرائے رہیں

کیا تیرے زنداں نے یوسف کو بند
ہوئے تیرے مقتل کو عیسیٰ پسند

نمک تیرا زخموں میں ایوب کے
کھٹک تیری دیدوں میں یعقوب کے

نہ شیخ و برہمن کے ٹھیرے قدم
کھنچا کش میں ہیں تجھ سے دیر و حرم

جہانگیر ہے نکہتِ دل ربا
ہے کس فتنہ میں عطر ڈوبا ہوا

چمن کو ہوا تیری ایسی لگی
رگ گل سے بلبل کو پھانسی لگی

برہمن کو بت بن کے دھوکا دیا
بتوں کو خدا کہہ کے بندا کیا

پڑا سایہ جس پر فنا ہو گیا
پری بن کے تو اک بلا ہو گیا

تپش مہر محشر کی بڑھتی ہوئی
ترے حسن کی دھوپ چڑھتی ہوئی

نہ گیسو کا مثل اور نہ رخ کا بدل
وہ شام ابد ہے یہ صبح ازل

ترے موئے مشکیں بلا اور بلا
ہر اک قطرہ ہنگامۂ کربلا

کہاں بل کہاں پیچ تقدیر کے
یہ لٹکے ہیں زلف گرہ گیر کے

وہ چمکے شہیدان ابرو کے داغ
کہ گل ہو گئے مسجدوں کے چراغ

کوئی چشم کافر ہے اس آن کی
قسم کفر کھائے تو ایمان کی

ستم تیر مژگاں کا اٹھتا نہیں
کسی دل کا اتنا کلیجہ نہیں

محسن کاکوروی

۱۱۔ جذبِ عشق

خوشا تاثیر جذبِ عشق کامل
سرایا ہے اثر جس سے ہر اک دل

کیا ہے دل نے آئینہ کو حیراں
دیا ذرہ کو دل نے شوق طیراں

کرے عاشق کا یہ ظالم اگر کام
نہ دے معشوق کو بھی ہرگز آرام

جنوں سازی پہ اپنی جب کبھو آئے
جنازہ پر نہیں تو گور پر لائے

اسی صورت سے اس کافر کے ہیں فن ول
چنانچہ ہے اسی راوی کا یہ قول

کہ جب وہ نازنیں تکیہ میں آئی
جگہ درویش کی اک گور پائی

کیا صد آہ حسرتناک نے جوش
یہ غیرت اس کو کہتی تھی کہ خاموش

چھپے دل سے ہزاروں نالے تا لب
ملے دل جا نتا تھا اسکو یالب

ہزاروں گریہ کے اٹھتے تھے طوفاں
نہ تھا اک رشحہ لیکن زیب مژگاں

غم دل کا کرے تھی سو طرح ضبط
پہ ضبط و عشق. اے غافل ہے کچھ ربط

شرار غم نے کی آخر شرارت
بدن میں یک بیک آئی حرارت

گری بے طاقتی سے واں یہ غمناک
طرح پانی کی لرزی ہر طرف خاک

پکڑتے تھے اسے ہر چند احباب
پہ نکلی جاتی تھی ہاتھوں سے جوں آب

اسی صورت سے غلطاں تھی کچھ دور
کہ جذب عشق نے ٹکڑے کی وہ گور

اٹھا درد ول اس جا کچھ ایسا
نظر آنا جسے کہتے ہیں کیسا

تجانا دیکھ کر واں کا حال کیا تھا
یہی وہ گور تھی یا اژدھا تھا

کہ جن نے بے تامل ایک دم میں
لیا اس نازپرور کو شکم میں

ہوئی جوں آب پنہاں یہ تہہ خاک
رہے باہر وہ سارے مثل خاشاک

قائم

۱۲۔ لیلیٰ مجنوں کا بچپن

یہ چاہتا تھا اس کو اسے وہ بھاتی تھی
چاہت جو یہ جتاتا تھا وہ بھی جتاتی تھی

شکوں نگہ نگہ سے نہ ہر گز لڑاتی تھی
پر نیچی نیچی نظروں سے کچھ مسکراتی تھی

ظاہر میں تو ہر اک سے وہ چاہت چھپاتی تھی　　لیکن وہ دل ہی دل میں محبت بڑھاتی تھی
مکتب سے جب وہ نازنین ٹک گھر کو جاتی تھی　　مجنوں کے دل پہ تب تو قیامت سی آتی تھی

ہوتا ہجوم جی میں جو تھا اضطراب کا
اک اک ورق بکھرتا تھا دل کی کتاب کا

جاتی تھی جب وہ گھر میں تو اسکا بھی تھا یہ حال　　مکتب میں جلد جانے کا تھا دم بدم خیال
ہوتی تھیں چپکے رونے سے آنکھیں جب اسکی لال　　جو پوچھتا تھا اس سے کوئی موجبِ ملال
کہتی تھی آنکھ میں جو پلک کا گیا ہے بال　　ہوتا ہے اس سبب سے اشکوں کا اتصال
مجنوں سے ملنے کا جو اسے شوق تھا کمال　　اک دم کے دور رہنے میں ہوتا تھا جی نڈھال

جاتی تھی جلد پھر اسی عنوان آتی تھی
مجنوں کے تن میں دیکھ کے پھر جان آتی تھی

کتنے دلوں تو روز ہی ہمرازیاں ہوئیں　　الفت کی تازہ تازہ ترانداز یاں ہوئیں
چاہت کی ہر کسی سے نہاں سازیاں ہوئیں　　ہرگز نہ اتہام نہ غمّازیاں ہوئیں
نہ افترا ہوا نہ درانداز یاں ہوئیں　　شوقِ دروں کی آئینہ پردازیاں ہوئیں
چھپ چھپ کے ہمدگر کی نظر بازیاں ہوئیں　　یکتا دلی میں طبع کی انبازیاں ہوئیں

مکتب کے بیچ گل کی طرح سے کھلے رہے
نازو نیاز کیا ہی گھلے اور ملے رہے

نظیر

۱۳۔ لیلیٰ مجنوں کا مکتب

چھٹی جو ملتی اور تو سب لڑکے لڑکیاں
ہنستے اچھلتے کودتے کرتے تھے بازیاں
لیلیٰ کے آنسو ہوتے تھے رخسار پر رواں
کہتی تھی "ہو جو رات کی جلدی سحر عیاں
تو جا کے دیکھوں مجنوں کو مکتب کے درمیاں"
مجنوں بھی ہر بہانے سے تا شام اس کے ہاں
جاتا تھا دیکھنے اسے رہ رہ کے دوستاں
جب ہوتی رات گھر میں پھر آتا تھا نیم جاں

لیلیٰ کی یاد دل کو جو ہر دم ستاتی تھی
آنکھوں میں نیند اس کے سحر تک نہ آتی تھی

ہوتی تھی جب سحر تو وہ مکتب میں آتا تھا
لیلیٰ کو پہلے آنے سے اپنے وہ پاتا تھا
اس غنچہ لب کے منہ سے جو وہ منہ ملاتا تھا
گل کی طرح سے دل میں نہ پھولا سماتا تھا
ملنے کا اشتیاق ہر اک دم ستاتا تھا
دل کی طلب کو اپنی نگہ سے جتاتا تھا
جب حرف شوق لیلیٰ کے لب سے بر آتا تھا
اس نازنین کی چاہ پہ قربان جاتا تھا

کہتا تھا "میں غلام ترا بے تمیز ہوں"
کہتی تھی وہ بھی ہنس کے "میں تیری کنیز ہوں"

پھر گھر میں اپنے جاتی جو محبوب دلربا
مجنوں جو کچھ صنم سے نشانی تھا مانگتا
دیتی نہ کچھ تو مجنوں سے کہتی تھی "تو بھی لا"
مجنوں بھی دیتا اس کو تو لے کر وہ مہ لقا
چومے تھی اس نشانی کو سب سے چھپا چھپا
مجنوں بھی ہر گھڑی اسے آنکھوں پہ رکھتا تھا

رہتے تمام رات اسی دھن میں مبتلا　　اس میں وہ صبح جب انہیں دیتی تھی منہ دکھا

مکتب میں پھر تو آنے کی تشدید ہوتی تھی

دونوں کو وہ سحر سحرِ عید ہوتی تھی

جب تک یہ خرد سال تھے چاہت نہاں رہی　　سیانے ہوئے تو تاڑنے والوں پہ کچھ کھلی

لوگوں میں چرچے ہونے لگے اس کے ہر گھڑی　　چاہت کے گل کی بو نہ رہی آخرش چھپی

جانا کسی کسی نے ۔ ملامت کسی نے کی　　پھر تو وہ پھیلی ایسی کہ پہونچی گلی گلی

کچھ بن سکا نہ جب تو ہوئی اُنکو بے بسی　　چھٹ پن کی تھی جو چاہ تو ہرگز نہ چھٹ سکی

آساں نہیں ہے رشتۂ الفت کو توڑنا

مشکل ہے بالے پن کی محبت کو چھوڑنا

پہنچی یہ بات خانۂ لیلےٰ میں جب گھڑی　　ماں باپ کے دلوں میں پڑی غم کی گلجھڑی

لیلی جب ان کے روبرو آکر ہوئی کھڑی　　دونوں کی طبع کثرتِ تنبیہ پر اڑی

کچھ جھڑکیاں دیں باپ نے کچھ ماں ہوئی کڑی　　ہیبت دکھائی اور تعقیب بھی کی بڑی

تدبیر اور اس کے سوا کچھ نہ بن پڑی　　مکتب سے اس کو منع کیا مار کر چھڑی

مجبور کر دیا وہیں فرحت کے ساتھ سے

تختی کتاب چھین لی لیلیٰ کے ہاتھ سے

نظیر

✤

۱۴- اداب عشق

دیکھنا بھی تو انہیں دور سے دیکھا کرنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

شام ہو یا سحر، یاد انہیں کی کرنا
دن ہو یا رات، ہمیں ذکر انہیں کا کرنا

عاشقو حسن جفا کار کا شکوہ ہے گناہ
تم خبردار خبردار نہ ایسا کرنا

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے حسرت
اُن سے مل کر بھی نہ اظہار تمنا کرنا!

حسرت

۱۵- منازلِ الفت

تا درِ جاناں ہمیں اوّل تو جانا منع ہے
اب گئے تو حلقۂ در کا ہلانا منع ہے

حلقۂ در گر ہلایا بھی تو بولے کون ہے
اب بتائیں کیا کہ نام اپنا بتانا منع ہے

نام بھی بتلا دیا تو سن کے کچھ چپ ہو رہے
پھر پکاریں کس طرح سے غل مچانا منع ہے

غل مچا کر گر پکارا بھی تو جھنجھلا کے کہا
جاؤ کیوں آئے تمہیں گھر میں بلانا منع ہے

اور بلایا بھی تو پھر جائیں وہاں ہم کس طرح
وہ جہاں ہیں ہم کو واں تک پاس جانا منع ہے

بار پا کر کچھ اگرچہ ہم گئے بھی واں تلک
آنکھ اٹھا کر کیوں کہ دیکھیں آنکھ اٹھانا منع ہے

آنکھ اٹھا کر میں اگر دیکھا تو وہ پردے میں ہے
سامنے بے پردہ ہو کر ان کو آنا منع ہے

سامنے بھی وہ کسی صورت اگر آئے تو پھر
بولنا ہنسنا تو کیا وہاں مسکرانا منع ہے

مسکرائے بھی تو کچھ چپکے ہی چپکے غنچہ وار
دل میں کیا کیا مدعا اور لب ہلانا منع ہے

بات گر دل کی جتائی بھی تو پھر ہوتا ہی کیا
اے ظفر ایسی جگہ دل ہی لگانا منع ہے

ظفر

۱۶۔ پھول اور پیام

(انگریزی سے ترجمہ)

جا او گلِ گلاب تو کارِ ثواب کو
میرا پیام دے مری عصمت مآب کو

کیوں مفت کھو رہی ہے وہ یوں وقتِ مغتنم
کیا جانتی نہیں تو کہ فرصت بہت ہی کم

اس وقت آتشیں ہیں وہ رخسار پھول سے
منہ سے بھی چھوٹے ہیں دمِ گفتار پھول سے

گر وہ ہے شمعِ حسن تو پروانہ میں بھی ہوں
ہے وہ پری جمال تو دیوانہ میں بھی ہوں

لازم ہے شکرِ نعمتِ پروردگار سے
واجب ہے فکر گردشِ لیل و نہار سے

کیا مال ہے یہ حسن اگر قدرداں نہ ہو
مجنوں نہ ہو تو لیلی کی بھی داستاں نہ ہو

اے گل تو ہی بتا کہ تجھے گر بجائے باغ
بہر نشیمن آج ملا ہوتا کوئی زاغ

خوبی کو تیری دیکھنے والا بھی تھا کوئی
سو جاں سے تیرا والہ و شیدا بھی تھا کوئی

ایسا ہی وہ مری سمن اندام نازنیں
جنگل میں اور کوہ و دشت میں ہوتی اگر کہیں

اہلِ نظر کی جس جگہ ہوتی نہ دسترس — اور ایک سال ہی ہوتے جہاں ناکس اور کس

واں جنسِ حسن ہوتی خریدار بن پڑی — اور دل رہا وہ۔ ہوتی طلب گار بن پڑی

پیغام ہیر ادے کے اُسے اے گلِ گلاب — مرجھانا بید ریغ۔ وہیں کھا کے پیچ و تاب

شاید کہ تیرے ہنسنے سے ہشیار ہو کے وہ — انجام حسن دیکھ لے بیدار ہو کے وہ

جانے کہ کوئی گُل کا سا رنگیں قبا بھی ہو — شیریں سے بڑھ کے گو کوئی شیریں ادا بھی ہو

قبضے میں اُس کے حُسن کا حقّہ ہے چند روز — دُنیا میں حُسن و عشق کا قصّہ ہے چند روز

جو فائدہ اٹھانا ہو اس سے اٹھائے جلد
دل میں سما چکی ہے نظر میں سمائے جلد

راقم نظر انتخاب

۱۷۔ رموزِ عشق

تجھ سے زیادہ شوق ہے اور تو نے نہ جانا — حسرت کو ابھی یاد ہے وہ تیرا زمانہ

نہ پوچھیے کہ ہوئی حسن کی عجب حالت — سنی جو پہلے پہل عشق ناصبور کی بات

حسن بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا — کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا

ستم سمجھے ہوئے تھے ہم تری بے اعتنائی کو
مگر جب غور سے دیکھا تو اک لطفِ نہاں پایا

پڑھ کے تیرا خط مرے دل کی عجب حالت ہوئی — اضطرابِ شوق نے اک حشر برپا کر دیا

بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بے تابیاں
ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا

سب غلط کہتے ہیں لطف یار کو وجہ سکوں
درد دل اس نے تو حسرت اور دونا کر دیا

رنگ سوتے میں چمکتا ہے طرحداری کا
طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا

گستاخ دستیوں کا نہ تھا مجھ میں حوصلہ
لیکن ہجوم شوق نے مجبور کر دیا

ہم تھے بے باک اور وہ محجوب
شب غرض لطف بے حساب اٹھا

بر سر ناز وہ از راہ کرم پہونچا تھا
شب عجب لطف کا سامان بہم پہنچا تھا

حیرانی نگاہ سے حسرت۔ جمال یار
تھا پردۂ حجاب میں۔ گو بے نقاب تھا

مانوس ہو چلا تھا تسلی سے حال دل
پھر تو نے یاد آ کے بدستور کر دیا

حالت عجیب تھی دل بے اختیار کی
بزم خیال میں جو وہ بت بے حجاب تھا

حسرت

٭

۱۸۔ رموزِ محبت

ڈور دیکھا اسے پہ بس نہ چلا
خوب اس دل نے بے قراری کی

میری اندازِ نگہ کو سمجھے
جو وہ ہر بات میں شرمانے لگا

کب اس نے تجھی میں تھا مرا جی
بس اتنی بات میں خوش ہو گیا جی

ابتدائے عشق کی باتیں دلاتا ہوں جو یاد
مسکرا کر وہ یہ کہتا ہے کہ کس کو یاد ہے

ہوس خفا نہ ہو ظاہر میں ہو وہ تجھ سے خفا
میں دیکھا دھیان سے آنکھوں میں پیار باقی ہے

ہم تو لڑ بھڑ کے ایک ہو جاتے
گو وہ تھا رات شان میں آیا
غصّہ آتا ہے پر یہی کہ ہوس
غیر کیوں درمیاں میں آیا

ہوس

❖

۱۹۔ نظر

اک نظر لڑتے ہی اظہار کیا کیا کیا کچھ
وہ اشاروں میں ہوئے شوق ادا کیا کیا کچھ

مرتا ہوں اس نگہ پہ جو ہو اس ادا کے ساتھ
پرسش ہیں ایک شوخی و شوخی حیا کے ساتھ

ممنون

۲۰۔ نظر

چھپ نہیں سکتی چھپانے سے محبت کی نظر
پڑ ہی جاتی ہے رُخِ یار پہ حسرت کی نظر

یوں بھی گر دیدہ نہیں کچھ تری صورت کی نظر
مگر اس رنگ میں جو یا ہے حقیقت کی نظر

گرچہ ہے پردۂ انکار میں ہمشکلِ عتاب
پھر بھی ہے صاف نمایاں وہ اجازت کی نظر

حسن کا راز نہ پوشیدہ رہا ہے نہ رہے
چاہنے والے بھی رکھتے ہیں قیامت کی نظر

ہجر میں رہنے لگیں اور بھی کچھ یاد ہمیں
وہ مراعات کی باتیں وہ مروّت کی نظر

آسرا ہم بھی لگائے ہوئے بیٹھے ہیں ترا
اس طرف بھی کوئی ہو جائے عنایت کی نظر

ہو کے غلتیدۂ خوں تجھ کو مبارک حسرت
اُن کی رحمت کے یہ انداز یہ رافت کی نظر

حسرت

۲۱- آنکھیں

روگ دل کو لگا گئیں آنکھیں — اک تماشا دکھا گئیں آنکھیں
مل کے اُن کی نگاہ جادو سے — دل کو حیراں بنا گئیں آنکھیں
مجھ کو دکھلا کے راہِ کوچۂ یار — کس غضب میں پھنسا گئیں آنکھیں
اس نے دیکھا تھا کس نظر سے مجھے — دل میں گویا سما گئیں آنکھیں
محفلِ یار میں بذوقِ نگاہ — لطف کیا کیا اٹھا گئیں آنکھیں

حال سُننے وہ کیا مرا حسرت
وہ تو کہیے سنا گئیں آنکھیں

حسرت

۲۲- پیار کی باتیں

مت آنکھ ہمیں دیکھ کے یوں مار دیا کر — غمزے ہیں بلا ان کو نہ سنکار دیا کر
آئینہ کی مشہور پریشاں نظری ہے — تو سادہ ہے ایسوں کو نہ دیدار دیا کر
کیوں آنکھوں پہ سرمہ کا تو دنبالہ رکھے ہے — مت ہاتھ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر
تناسب پہ اعضا کے اتنا تبختر — بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کر

مبارک تمہیں میر ہو عشق کرنا
بہت ہم تو پچھتائے دل کو لگا کر

میر

۲۳۔ محبّت

محبّت نے کھویا کھپایا ہمیں بہت ان نے ڈھونڈھا نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم ہوا ہے کہے تو کہ سایہ ہمیں
جوانی دوانی سنا کیا نہیں حسینوں کا ملنا ہی بھایا ہمیں
مٹا اس کی ہیں نقش وفا
نہیں تو اٹھالے خدایا ہمیں

میر

۲۴۔ درد عشق

کرو توکّل کہ عاشقی میں نہ یوں کروگے تو کیا کروگے
عالم جو یہ ہے تو درد مندو کہاں تلک تم دوا کروگے
بلا ہے ایسا طپیدنِ دل کہ صبر اس پر ہے سخت مشکل
دماغ اتنا کہاں رہے گا کہ دست بردل رہا کروگے
عدم میں ہم کو یہ غم رہے گا کہ اور دل پر ستم رہے گا
تمہیں تو لت ہے ستانے ہی کی کسو پہ آخر جفا کروگے

میر

۲۵- اضطراب

بیدماغی بے قراری بےکسی بے طاقتی
کیا جئے وہ جس کے جی کو روگ یہ اکثر رہیں
مضطرب ہو ایک دم کو تو تدارک بھی ہو کچھ
متصل تڑپے ہے کب تک ہاتھ لے دل پر رہیں

میر

۲۶- کیا کروں

کیسے چھپاؤں رازِ غم دیدۂ تر کو کیا کروں
دل کی تپش کو کیا کروں سوزِ جگر کو کیا کروں
غم کا نہ دل میں ہو گذر وصل کی شب ہو یوں بسر
سب یہ قبول ہے مگر خوفِ سحر کو کیا کروں
دل کی ہوس مٹا تو دی ان کی جھلک دکھا تو دی
پر یہ کہو کہ شوق کی "بار دگر" کو کیا کروں

حسرت

۲۷- جوشِ جنوں

ان دنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو
لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو
منع کرتا ہے مجھے یار کے گھر جانے کو
ناصحا آگ لگے اس ترے سمجھانے کو
شہر میں اپنے یہ لیلیٰ نے منادی کر دی
کوئی پتھر سے نہ مارے مرے دیوانے کو

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

کچھ بھی عاشقِ بیدل کی تجھے اپنی خبر
آتا ہے پیکِ اجل اب اسے لیجانے کو

ناظر

۲۸۔ مردِ عاشق

جوشِ غم ہوتے بھی ہیں یوں ابر رو تے بھی ہیں
چشمِ جہاں آشوب سے دریا بہایا ایک میں

تھا سب کو دعوئ عشق کا لیکن نہ ٹھیرا کوئی بھی
دانستہ اپنی جان سے دل کو اٹھایا ایک میں

میر

۲۹۔ ناسمجھی

دل مرا پند گو، نہ سمجھے گا
پند تیری نکو نہ سمجھے گا

تجھ سا دانا۔ ہزار حیف کہ تو
یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

یہ سمجھ لے تو اب کہ سودا کو
دل تری گفتگو نہ سمجھے گا

حق کے سمجھائے سمجھے تو سمجھے
تیرے سمجھائے تو نہ سمجھے گا

سودا

۳۰۔ عشق

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں
اس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں

گریۂ شب سے سرخ ہیں آنکھیں
مجھ بلا نوش کو شراب کہاں

عشق کا گھر ہے میرؔ سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں

کرتے ہیں جو کہ جی میں ٹھانے ہیں
خوب رو کس کی بات مانے ہیں

پوچھ اہلِ حرب سے شوق اپنا
وے ہی جانیں جو خاک چھانے ہیں

میر

۳۱۔ ہُوا سو ہُوا

جو گذری مجھ پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

کہے ہے سن کے مری سرگزشت وہ بے رحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

یہ کون حال ہے احوالِ دل پہ اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ہوا سو ہوا

دیا اسے دل و دیں اب یہ جان ہی سودا
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو ہُوا سو ہوا

۳۲۔ مت پوچھو

حال دل میر کا اے اہلِ وفا مت پوچھو
اس ستم کشتہ پہ جو گزری جفا مت پوچھو

وقت قتل آرزوئے دل جو لگے پوچھنے لوگ
ہیں اشارت کی ادھر ان نے کہا مت پوچھو

خواہ مارا انہیں نے میر کو خواہ آپ مُوا
جانے دو یارو جو ہونا تھا ہوا مت پوچھو

نالۂ شب نے کیا ہے جو اثر مت پوچھو
ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے جگر مت پوچھو

کیا پھرے وہ وطن آوارہ گیا اب سو گیا
دلِ گم کردہ کی کچھ خیر خبر مت پوچھو

مرنے میں بند زباں ہونا اشارت ہی ندیم
یعنی ہے دُور کا درپیش سفر مت پوچھو

اس کی طرز نگاہ مت پوچھو
جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو

تو گرفتار دام زلف اس کا
ہے یہی رو سیاہ مت پوچھو

تھا کرم پر اسی کے ترابِ مسام
ہیں ہے اعمال آہ مت پوچھو

تم بھی اے مالکان روز جزا
بخش دو اب گناہ مت پوچھو

مجھ ناامیدی کا میرے سبب مت پوچھو
ایک دم چھوڑ دو یوں ہی مجھے اب مت پوچھو

لب پہ شیون مژہ پر خوں و نگہ میں اک یاس
دن کیا ہجر کا جس ڈھنگ ہے شب مت پوچھو

گریۂ شمع کا اے ہم نفساں ہیں تھا حریف — گزری ہے رات کی صحبت بھی عجب مت پوچھو

میر صاحب یہ نئی طرز ہوا ہے کی تو کہو

موجب آزردگی کا وجہ غضب مت پوچھو

۳۳۔ عشق

میر

دل سے شوقِ رخِ نکو نہ گیا — جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھا — آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں — مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

اُن نے پہچان کر ہمیں مارا — منہ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا

جہاں کو فتنے سے خالی کبھو نہیں دیکھا — ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا

اتنا نہ تجھ سے ملتے نہ دل کو کھو کے روتے — جیسا کیا تھا ہم نے ویسا ہی یار پایا

خرابی دل کی اس حد ہے کہ یہ سمجھا نہیں جاتا — کہ آبادی بھی یاں تھی یا کہ ویرانہ ہی مدت کا

عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبط عشق کے — دل جل گیا اور نفس لب پہ سرد تھا

زار رکھا بے حال رکھا بیتاب رکھا بیمار رکھا — حال رکھا تھا کچھ بھی ہم میں عشق نے آخر مار رکھا

آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشاں

مشتِ غبار لے کے صبا نے اڑا دیا

میر

۳۴۔ وارفتگی

خوبرویوں سے یاریاں نہ گئیں
دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں

عقل صبر آشنا سے کچھ نہ ہوا
شوق کی بے قراریاں نہ گئیں

دن کی صحرا نوردیاں نہ چھٹیں
شب کی اختر شماریاں نہ گئیں

ہوش یاں سدِّ راہ علم رہا
عقل کی ہرزہ کاریاں نہ گئیں

تھے جو ہم رنگِ ناز ان کے ستم
دل کی امیدواریاں نہ گئیں

حسن جب تک رہا نظارہ فروش
صبر کی شرمساریاں نہ گئیں

طرزِ مومنؔ میں مرحبا حسرتؔ
تیری رنگیں نگاریاں نہ گئیں

مے و مینا سے یاریاں نہ گئیں
میری پرہیزگاریاں نہ گئیں

مر کے بھی خاکِ راہ یار ہوئے
اپنی الفت شعاریاں نہ گئیں

اشکباری سے سوزِ دل نہ مٹا
آہ کی شعلہ باریاں نہ گئیں

حسن کی دلفریبیاں نہ گھٹیں
عشق کی تازہ کاریاں نہ گئیں

سب نے چھوڑا تجھے مگر حسرتؔ
درد کی غمگساریاں نہ گئیں

حسرت

۳۵۔ سرگزشت

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا — جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا
دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا — جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
قامت خمیدہ رنگ شکستہ بدن نزار — تیرا تو میرؔ غم میں عجب حال ہو گیا
شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
مجلس آفاق میں پروانہ ساں — میرؔ بھی شام اپنی سحر کر گیا

خوب دریافت جو کیا ہم نے
وقت خوش میرؔ نکہتِ گل تھا

میر

۳۶۔ شکایت الفت

ہائے خطا کیا کیا۔ دیکھے عتاب دیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھنچے عذاب کیا کیا
ہم دل زدہ نہ رکھتے تھے تم سے یہ چشم داشت
کرتے ہو قہر لطف کی جاگہ غضب ہی کیا
تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کئے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہی کیا

کیونکر تمہاری بات کرے کوئی اعتبار
ظاہر ہے کیا کہو ہو سخن زیر لب ہے کیا

تکلیف نہ کی تم نے اس وحشی کو مرنے کی — تھا میرؔ تو ایسا بھی دل جی سے اٹھا جاتا

فقیر بستی میں تھا تو تراز یاں کیا تھا — کبھو جو آن نکلتا کوئی صدا کرتا

خراب تجھ کو کیا دل کی لاگ نے ورنہ — فقیر کاہے کو تکئے سے یوں اٹھا کرتا

وائے احوال اس جفاکش کا — عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

کون جی سے نہ جائے گا اے میرؔ

حیف یہ ہے کہ تو جوان گیا

کیا کام کیا ہم نے دل یوں نہ لگانا تھا — اس جان کی جوکھوں کو اس وقت نہ جانا تھا

ہر آن تھی سرگوشی، یا بات نہیں گاہے — اوقات ہے اک یہ بھی اک وہ بھی زمانہ تھا

جب تو نے نظر پھیری تب جان گئی اس کی — مرنا ترے عاشق کا۔ مرنا کہ بہانا تھا

کیا صورتیں بگڑی ہیں مشتاقوں کی ہجراں میں — اس چہرہ کو اے خالق ایسا نہ بنانا تھا

اک محو تماشا ہیں اک گرم ہیں قصہ کے — یاں آج جو کچھ دیکھا سو کل وہ فسانہ تھا

کہتے نہ تھے ہم واں سے پھر آچکے جیتے تم

میرؔ اس گلی میں تم کو زنہار نہ جانا تھا

میر

❖

۳۷۔ شورشِ محبت

سودا اسے کہا ہیں کیوں تجھ سے نہ کہتے تھے
لب عشق کے ساغر سے ظالم نہ کر آلودہ
اب دیکھ تو حال اپنا ٹک رحم کی نظروں سے
ناحق کی بلا میں تو ہے کس قدر آلودہ
آنکھیں تری رکھتی ہیں دامان و گریباں کو
خونناب کے قطروں سے شام و سحر آلودہ
جس سمت نظر کیجئے اودھر نظر آتا ہے
لوہو سے ترے سر کے دیوار و در آلودہ
اس بات میں اے ناداں بتلا تو مزا کیا ہے
پاؤں سے جو تو خوں ہے تا بسر آلودہ
جس وقت غرض اس نے یہ بات سنی مجھ سے
اتنا ہی کہا بھر کر آہِ اثر آلودہ
لذت کو ہلاہل کی کیا ان کو بتاؤں میں
ہے کام و دہن جن کا شہد و شکر آلودہ

سودا

۳۸۔ پیامِ عاشق

کیا کہوں تجھ بن جو میرا حال ہے
زندگی مجھ کو ہوئی جنجال ہے
غمگساروں سے لڑائی ہوگئی
صبر و طاقت سے جدائی ہوگئی
یا تصور میں ترے سوتا ہوں میں
یا کلیجہ تھام کر روتا ہوں میں
لطف کھانے کا نہ پانی کا مزا
مفت جاتا ہے جوانی کا مزا

دل سے گر اپنے بھلاؤ گے مجھے
دیکھو پھر جیتا نہ پاؤ گے مجھے

اپنے عاشق کا اگر دو گے نہ سات
دن گزر جاویں گے رہ جاویگی لت

یہ دعا میری ہے اے آرام جاں
تو رہے جب تک رہے باقی جہاں

مجھ کو غم ہو تجھ کو ہرگز غم نہ ہو
زلف بکھرے پر ترے برہم نہ ہو

ہوس

۳۹۔ عشق

ملتفت ہوتا نہیں ہے گاہ تو
کس قدر مغرور ہے اللہ تو

مجھ سے کتنے جان سی جاتے رہے
کس کی میت کے گیا ہمراہ تو

اس کے دل میں کام کرنا کام ہے
یوں فلک پر کیوں نہ جلائے آہ تو

میر تو تو عاشقی میں کھپ گیا
مت کسی کے چند روز اجاہ تو

میر

٭

۴۰ ۔ محبت کی باتیں

کچھ تمہیں ملنے سے بیزار ہو میرے ورنہ — دوستی ننگ نہیں عیب نہیں عار نہیں
نازو انداز و ادا عشوہ و اغماض و حیا — آب و گل میں تری سب کچھ ہے مگر پیار نہیں
صورت آئینہ میں ٹک دیکھ تو کیا صورت ہے — بد زبانی تجھے اس منہ پہ سزاوار نہیں

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں اے ناصح
تو کسو زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں

میر

۴۱ ۔ محبت

گرچہ کب دیکھتے ہو پر دیکھو — آرزو ہے کہ تم ادھر دیکھو
عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے — آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو
یوں عرق جلوہ گر ہے اس منہ پر — جس طرح اوس پھول پر دیکھو
رنگ رفتہ بھی دل کو کھینچے ہے — ایک شب اور یہاں سحر دیکھو

دل ہوا ظرف ہی محبت کا
خون کے قطرہ کا جگر دیکھو

میر

۴۲۔ محبت کی باتیں

وہ جو پھرتا ہے مجھ سے دُور ہی دُور
ہے یہ تقریب جی کے جانے کی
تیز یوں ہی نہ تھی شبِ آتشِ شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

میر

۴۳۔ انتظار

اب تو اٹھ سکتا نہیں آنکھوں سے بارِ انتظار
کس طرح کاٹے کوئی لیل و نہارِ انتظار

جان و دل کا حال کیا کہیے فراقِ یار میں
جان مجروحِ الم ہے دل فگارِ انتظار

کیا ہوئیں آسانیاں وہ روزگارِ وصل کی
اب تو ہم ہیں اور رنجِ بے شمارِ انتظار

میری آہیں نارسا میری دعائیں ناقبول
یاالٰہی کیا کروں میں شرمسارِ انتظار

صبر کی طاقت نہیں باقی دلِ مایوس میں
دیکھیے کیونکر بسر ہو روزگارِ انتظار

ان کے خط کی آرزو ہی انکی آمد کا خیال
کس قدر پھیلا ہوا ہے کاروبارِ انتظار

حسرت

❖

۴۴۔ ایمانِ اُلفت

نازمے آ تجھے ادا کی قسم
مہرباں ہو تجھے دیا کی قسم
میں وفادار ہوں وفا کی قسم
خیر خواہوں میں ہوں خدا کی قسم
مان اس صادق آشنا کی قسم

بوالہوس تجھ اوپر رکھیں ہیں نظر
جب سے تج حُسن کی نے ہیں خبر
حرف میرا سُن اے پری پیکر
کم نمائی کو مدعا کر کر
مت کہیں جا تجھے خدا کی قسم

دل کو تجھ عشق سے ہے عنقا کی
لیکن اس تے نہیں ہوں میں شاکی
کم ہے عالم میں عصمت و پاکی
دیکھ تیری یہ شوخ بے باکی
خوف میں ہوں سوا رجا کی قسم

گر سخن فہم تجھ کو پاؤں گا
حال دل کل تجھے سناؤں گا
بندۂ بید رم کہاؤں گا
یہ قدم چھوڑ کر نہ جاؤں گا
مجھ کو ہے تیرے خاک پا کی قسم

سب رقیباں ہیں کور دیدوں کے
جان کر حرف ان پلیدوں کے
مت ہو فرماں میں یزیدوں کے
لطف سے آ طرف شہیدوں کے
تجھ کو ہے شاہ کربلا رضہ کی قسم

ولی دکنی

۴۵۔ اِشتعالِ محبّت

آنکھوں کو انتظار سے گرویدہ کر چلے
تم یہ تو خوب کار پسندیدہ کر چلے

اظہارِ التفات کے پردے میں اور بھی
وہ عقدہ ہائے شوق کو پیچیدہ کر چلے

ہم بے خودی سے چھپ نہ سکا رازِ زار زار
سب اُن سے عرضِ حالِ دلِ دیدہ کر چلے

تسکینِ اضطراب کو آئے تھے وہ مگر
بیتابیوں کی رنج کو بالیدہ کر چلے

یہ طرفہ ماجرا ہے کہ حسرت سے مل کے وہ
کچھ جانِ دل کو اور بھی شوریدہ کر چلے

حسرت

۴۶۔ یار کی رخصت

جب وہ کہتا ہے کہ گھر جاتا ہوں
سُن کے یہ بات میں مر جاتا ہوں

نجا پیارے کہ تیرے دیکھنے سے
نہیں مطلق مراد تک گھبرا جی

تجھے تو منع کر سکتے نہیں پر طرفہ حالت ہے
ہوا جاتا ہے جانے سے تری کچھ جی نڈھال اپنا

وہ بت جس گھڑی اٹھ کے جانے لگا
مجھے بیٹھے بیٹھے غش آنے لگا

ملے یار کس طرح کیا کیجئے
پھر اس وقت دل تلملانے لگا

اس کے جانے سے ہوا ہی مضطرب ایسا ہوں میں
ہجر بھی ہوتا ہے، لیکن اتنا گھبراتے نہیں

یارب کبھی عاشق کا یہ ارمان نکل جائے
جو آہ بھرے عشق میں اور جان نکل جائے

ہوس

۴۷۔ دل کی لگن

وہ اور ہیں اے شمع جو الفت میں ہیں نالاں
روتے ہیں تری طرح رلائے سے کسو کے

جوں کاغذ آتش زدہ ہم سیر تماشا
ہنس ہنس کے جلے رات جلائے سے کسو کے

جوں نقش قدم خاک نشینانِ رہ عشق
تا حشر اٹھیں گے نہ اٹھائے سے کسو کے

اے ناصحِ بیہودہ نا کر پند و نصیحت
دل لگ کے کبھی چھٹتا ہے چھڑائے سے کسو کے

گو ڈر سے ترے بزم میں ہم پی گئے آنسو
پر رنگ چھپے گا نہ چھپائے سے کسو کے

یہ یاد رہے ہم تو ہیں بے چین پہ تو بھی
آرام نہ پائے گا ستائے سے کسو کے

سو بار نصیرؔ اس کے لئے کیجئے منت
گر کاش منے بھی وہ منائے سے کسو کے

نصیر

۴۸ ۔ نہ کھلا

ہزار طرح سے کھولا وہ دلربا نہ کھلا ہمیں نہ کھلنے کا کچھ اس کے مدعا نہ کھلا

چمن میں جا کے گرہ تو نے غنچہ کی کھولی پر اپنا عقدۂ دل تجھ سے اے صبا نہ کھلا

خط اس نے کھول کے دیکھا مگر خدا جانے کہ اس پہ کچھ مرا مضمون خط کھلا نہ کھلا

قسم ہے وہ مرے رونے پہ ہنس کے کہتا ہی کہ تیرے گریہ کا کچھ ہم پہ ماجرا نہ کھلا

کھلے ہزار در باغ دلکشا لیکن دل گرفتہ مرا بند ہی رہا نہ کھلا

ہمارے درد کو کیا جانے ناصح بیدرد کسی پہ حال بہ جز درد آشنا نہ کھلا

سرشک خوں نہ بہے چشم سے ظفر جب تک
ہمارے دل کا کبھی راز اک ذرا نہ کھلا

ظفر

۴۹ ۔ اچنبا

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار بیقراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

اس کی آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

عکس رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا تاب تجھ میں مہ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

اب کے جو راہِ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو نہ تھی

پائے کوباں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
آتی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

نگہ یار کو اب کیوں ہے تغافل اے دل
وہ ترے حال سے غافل کبھی ایسی تو نہ تھی

کیا سبب تو جو بگڑتا ہے ظفرؔ سے ہر بار
خو تری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

ظفر

۵۰۔ حیرانی

گفتگو اور وں کی شامل کبھی ایسی تو نہ تھی
ہوتی خفت ہمیں حاصل کبھی ایسی تو نہ تھی

رہتی اس بزم میں کِل کِل کبھی ایسی تو نہ تھی
بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

پوچھتا ہوں دل بے تاب سے میں یہ ہر بار
کہ نہ سیماب نہ تو برق نہ شعلہ نہ شرار

پھر جو تو مضطرب اتنا ہے بتا تو سہی یار
لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار

بے قراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

جانتا ہے اسے تو خوب کہ ہے عاشق زار
دل تو کیا جان کے دینے میں نہیں ہے انکار

وہ کسی بات پہ تجھ سے نہیں کرتا تکرار
کیا سبب تو جو بگڑتا ہے ظفرؔ سے ہر بار

خو تری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

ظفر

۵۱ ۔ سمجھ کا پھیر

تمہارے فہم میں پیارے جو ہم ہیں غیر یوں سمجھو
اگر سمجھے ہو بیگانوں کو اپنا ۔ خیر یوں سمجھو

کہاں ان سے نہ ملنے کو بھلا جان اپنی جانب ہیں
جو تم اس دوستی کرنے کو سمجھے بیر یوں سمجھو

بُرا مانے تو مفت گفتا ہے سودا کی اے پیارے
کہ اس کی بات کچھ رکھتی نہیں سر پیر یوں سمجھو

سودا

۵۲ ۔ ستم ظریفی

اشارت میں جو کہیے ایک حرف تمنا اس سے
تو کہتا ہے تجھے کیا مانعِ عرضِ زبانی ہے

اگر یہ سن کے دو حرف تمنا لایئے لب پر
کہے ہے کس قدر تجھ کو دماغِ قصہ خوانی ہے

اگر چپ بیٹھیے ناچار تو یہ چھیڑ کی رکھی
کہ ایسی صورتِ دیوار سے دل پر گرانی ہے

اگر اٹھ جایئے جھنجھلا کے مجلس سے تو بلوا کر
برائے مصلحت دو چار دم تک مہربانی ہے

جو ہم بھی تنگ چلیے کچھ دیکھ اس لطف نمایاں کو
تو پھر ہنس ہنس کے غیروں سے کچھ ایمائی ہمانی ہے

خدا کے واسطے اے ہمنشینو غور فرماؤ
سلوک اس کا ہو جب یہ کچھ بھی لطفِ زندگانی ہے؟

ممنون

۵۳ - بے زبانی

ارادے تھے کہ ان سے حال دل سب مل کے کہہ دینگے
مگر ملنے پہ ہم سے آج ہوتا ہے نہ کل کہنا

اب ان سے کہو آرزوِ شوق نہ حسرت
وہ حسن بیاں آج کہاں گم ہے تمہارا

بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیش یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

کھلے نہ ہم سے خموشانِ آرزو کی زباں
جو اتفاق بھی ہو ان سے ہمکلامی کا

خیر ہے ضبط شوق پہ آکر معاملہ
اس درجہ آرزو کی بڑھیں بے زبانیاں

حسرت

۵۴ - تم کو کیا

ناصحو جان مری کھاتے ہو کیوں بک بک کر
دل تو تھا میرا تھا میں نے دیا تم کو کیا؟

بعد مدت کے جو آئے بھی تو ہمراہ رقیب
حال دل کا مرے معلوم نہ تھا تم کو کیا؟

بس ہے مجھ کو تو یہ اک گوشۂ تنہائی بھی
پر جدا ہونے سے بتلاؤ ملا تم کو کیا

ھوس

۵۵۔ کشیدگی

ظلم و ستم کیا جور و جفا کیا جو کچھ، کیے اٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں۔ رہتا نہیں دل پھر آتا ہوں
آنے کی میرے فرصت کتنی دو دو پل ایک گھڑی
رنجش کیوں۔ کاہیکو خشونت۔ غصہ کیا ہیں جاتا ہوں

کبھو ملے ہے سو وہ یوں کہ پھر ملا نہ کریں
کرے ہے آپ ہی شکایت کہ ہم گلا نہ کریں

میر

۵۶۔ شکوہ

اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
پھر تجھ کو نہ منہ دکھائیں گے ہم

مشکل ہے نہ آنا تجھ پاس بھی ہیں
پر یہ بھی ہی نہ آئیں گے ہم

جو آگے کیا کئے ہیں تجھ سے
سو اب کے وہ کر دکھائیں گے ہم

جینے ہی سے ہاتھ اٹھائیں گی لیک
باتیں نہ تری اٹھائیں گے ہم

حسرت پہ تجھ اگر ملیں گے تو خیر
قایم ہی نہ پھر کہائیں گے ہم

قایم

۵۷۔ عزم بالجزم

کوئی ناکامیوں رہے کب تک
میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب
کام اپنا تمام کرتا ہوں

میر

۵۸۔ محبّت

لگا آگ پانی کے دوڑے ہے تو
یہ گرمی تری اس شرارت کی بعد
کہے کو ہمارے کب اس نے سنا
کوئی بات مانی سو منت کے بعد
جدائی کے حالات میں کیا کہوں
قیامت تھی ایک ایک ساعت کے بعد
نظر میرؔ نے کیسی حسرت سے کی
بہت روئے ہم اسکی رخصت کے بعد

میر

۵۹۔ انجامِ فراق

اس کے گئے پہ ایسی گئی دل سے ہمنشیں
معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا
دکھ اب فراق کا ہم سے سہا نہیں جاتا
پھر اس پہ ظالم یہ ہے کچھ کہا نہیں جاتا

تا بہ مقدور انتظار کیا — دل نے اب زور بے قرار کیا

اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار — یاد ایام جب تحمّل تھا

دُور تجھ سے میرؔ نے ایسا تعب کھینچا کہ شوخ — کل جو میں دیکھا اسے مطلق نہ پہچانا گیا

ٹک میرؔ جگر سوختہ کی جلد خبر لے — کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دیکھا۔ اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

داغِ فراق و حسرتِ وصل آرزوئے شوق — میں ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا

لایا ہے مزار پہ اس کو یہ جذبِ عشق — جس بیوفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا

مت کر عجب جو میرؔ ترے غم میں مر گیا

جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

میرؔ

۶۰ ۔ بے قراری

اچھی لگے ہے تجھ بن گلگشتِ باغ کس کو — صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کس کو

گلچینِ عیش ہوتے ہم بھی چمن میں جا کر — آہ و فغاں سے اپنے لیکن فراغ کس کو

آرام ہو چکا مرے جسمِ نزار کو — رکھے خدا جہاں میں دلِ بے قرار کو

لے رد کوئی جو آج پئے ہی شرابِ عیش — خاطر میں رکھیو کل کے بھی رنج و خمار کو

گر ساتھ لے گیا تو دلِ مضطرب کو تیرؔ
آرام آچکا ترے مشتِ غبار کو

جیتے جی فکر خوب ہے ورنہ یہ بدبلا
رکھے گا حشر تک تہ و بالا مزار کو

میر

۶۱۔ جُدائی

لے بادِ صبا کہیو یارانِ رفتگاں سے
لینا خبر ہماری بچھڑے ہیں کارواں سے

کیا کیا نہ رنج ہم پہ ترے بن گزر گئے
اب جلد آ کہیں کہ بہت دن گزر گئے

رخصت کے وقت ہم نے ہوسؔ آہ تو نہ کی
صدمے ہماری جان پہ لیکن گزر گئے

کہیں کیا فراق میں یار کے بدن اپنا زار و نزار ہے
نہ تو ہوش ہے نہ حواس ہے نہ تو صبر ہے نہ قرار ہے

ھوس

۶۲۔ دردِ فراق

گزرے ہے شب خیال میں خوباں کی جاگتے
آنکھیں لگا کے ان سے یہ ترسوں میں خواب کو

کہنے سے میرؔ اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تلک اس دلِ خراب کو

بے طاقتی میں شب کی پوچھو نہ صبح میرا
ہاتھوں میں دل کو رکھا دانتوں تلے جگر کو

میر

۶۳۔ ہجر

ہجر میں کس سے کہوں حالِ دلِ زار اپنا
نہ تو مونس ہے کوئی اور نہ غم خوار اپنا

دن تصور میں کٹے رات تڑپتے گزرے
کس طرح ہجر میں جینا نہ ہو دشوار اپنا

درد دوری سے اسے اک دم آرام نہیں
کیوں نہ دن رات کراہے دلِ بیمار اپنا

دو گھڑی بیٹھ کے روئیں گے جہاں جی لگ جائے
نہ مکاں دشت ہے مسکن ہی نہ کہسار اپنا

شمع پروانہ پہ مصروف ہی گل بلبل پر
حسن ہر رنگ میں ڈھونڈتی ہے خریدار اپنا

کہوں کیا جو گزرتی ہی مجھ پہ ہوں
غمِ دل بھی کسی کو خبر ہی نہیں

میرا ہجر میں جس کے یہ حال ہوا
مرے حال پہ اس کو نظر ہی نہیں

نہ تو آتی ہے نیند کہ سو ہی رہوں
نہ انیس ہے کوئی کہ بات کروں

شب ہجر کی کس سے درازی کہوں
یہ وہ شب ہے کہ جس کی سحر ہی نہیں

شبِ ہجر میں دم وا پسیں دلِ مضطر کا بہ پتہ چل تھا
کہ جو سانس ہونٹوں تک آئی تھی تو نکلنا اسکا محال تھا

مرا پہونچا آخری وقت جب مجھے دیکھنے کو وہ آئے تب
لگے کہنے اس کو یہ کیا ہوا کہ یہ کل تلک تو بحال تھا

ھوس

۶۴- دردِ فراق

اے پپیہا بس خدا کے واسطے چپ ہو ذرا
رات آدھی آ گئی ظالم تجھے کیا ہو گیا
تیرے پی پی کہنے سے وہ بے وفا یاد آئے ہی

جاری کوئل باؤلی مت کوک اتنا زور سے
ٹیس اٹھتی ہے جگر میں ہائے تیرے شور سے
تو جدا تڑپائے ہے اور وہ جدا تڑپائے ہے

کیوں یہ آہ سرد ہے کس واسطے رخ زرد ہے
اشک کیوں آنکھوں میں ہیں دل کیوں پُر از درد ہے
آج اے توفیق کیوں اس طرح جی گھبرائے ہی

توفیق

۶۵- انجامِ فراق

ملتیں کہاں گدازِ طبیعت کی لذتیں
رنجِ فراقِ یار بھی راحت فزا ہے کیا

خاطرِ مایوس میں نقشِ امیدِ وصلِ یار
یوں ہے صحرا میں گویا اک چراغِ دور کا

اب دل ہے اور فراغت حیرت کہ یاس نے
تکلیف انتظار سے مامون کر دیا

حسرت

۶۶۔ تغافل

نسیم ہے ترے کوچہ میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

خیال اپنے میں گو ہوں ترا نہ سنجان مست
کراہنے کو دلوں کے کبھی سنا بھی ہے

سودا

۶۷۔ افسردگی

موسم گل ہے ولے کچھ یہ دل اب شاد نہیں
تاب پرواز نہیں طاقت فریاد نہیں

آہ اس دل نے تجا ننگ و حیا کو ورنہ
کیا کیا باتیں تمہاری کہ ہمیں یاد نہیں

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت کا جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

سخن عشق نہ گوشِ دل بیتاب میں ڈال
مت یہ آتشکدہ اس قطرۂ سیماب میں ڈال

ابھی جھپکی ہے ٹک اے شورِ قیامت یہ پلک
صبح کا وقت ہے ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

سودا

۶۸. افسردگی

یہ حسرت تھی عارض اسے صبح و شام
ہوئے خواب و خور اس کے اوپر حرام

نہ جامہ کی پروا نہ تن کے حواس
مہینے گزرتے تھے بدلے لباس

ہر اک لحظہ سینہ سے آہ و فغاں
چلے آئے تھے کارواں کارواں

کبھو نالۂ دل جگر تاب تھا
کبھو اشک میں دل کا خونناب تھا

وہ دولت تھی جس میں ہر صبح و شام
رہے تھی نئی عید کی دھوم دھام

یہ اس سے گئی یک بیک خرمی
کہے تو نہ تھا یاں کبھو آدمی

نہ صحبت میں وہ انبساطِ قدیم
نہ مجلس میں وہ ترہاتِ ندیم

نہ اندیشۂ مے نہ پروائے جام
نہ ہنگامۂ عیش و عشرت سے کام

پڑا تھا کہیں شیشۂ مخمور وش
کہیں ساغرِ مے تھا خمیازہ کش

لٹا باغ۔ گل پر پڑی غم کی اوس   گیا شور مرغ چمن لا کے کوس

کیا چرخ نے اور صورت سے دور
ہوا اور سے حالِ دوراں کچھ اور

قایم

۶۹۔ عشق کی باتیں

گہ سرگزشت ان نے فرہاد کی نکالی   مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہی

اک آفتِ زماں ہے یہ میرؔ عشق پیشہ
پردہ میں سارے مطلب اپنی ادا کرے ہی

میر

۷۰۔ وحشت

ہیں یہ کیا رنگ تمہارے محسن   شست کیوں ہو گئے پیارے محسن

نہ وہ صورت نہ وہ سیرت تیری   یار کیا ہو گئی حالت تیری

حیف حالت تری دکھ پائی ہوئی   ہائے صورت تری مُرجھائی ہوئی

لب پہ آئے ہوئے نالے پیہم   ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں ہر دم

چہرہ ڈوبا ہوا حیرانی میں   عرق آیا ہوا پیشانی میں

زردی چھائی ہوئی رخساروں پر — سرسوں پھولی ہوئی انگاروں پر
حسرتیں دل کی عیاں سینے سے — جی پریشان ترا جینے سے
باتیں کرتے ہو تو رک جاتے ہو — آپ ہی چھیڑ کے شرماتے ہو
کبھی ملتے ہو تو بے گانے سے — کبھی ہنستے ہو تو بے گلنے سے
جم کے بیٹھو تو اٹھانے کے نہیں — روٹھ جاؤ تو منانے کے نہیں
کیوں چلے آتے ہیں چپ چپ آنسو — کس لیے گرتے ہیں ٹپ ٹپ آنسو
خون میں ڈوبی نگاہیں کیسی — ہیں مری جان یہ آہیں کیسی
ہوش میں آؤ سمجھ والے ہو — تم تو بے مے پے متوالے ہو
سو کہیں ایک نہ مانی آخر — مٹ گئی تیری جوانی آخر
تھامے دل تجھے دلبر کی قسم — سر اٹھا تجھ کو مرے سر کی قسم

دوستانہ تجھے سمجھاتے ہیں
نہیں سنتا ہے تو ہم جاتے ہیں

محسن کاکوروی

۷۱ ۔ نامرادی

پس مرگ میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا
اسے آہ دامن باد نے سر شام ہی سے بجھا دیا

ابھی آنکھ جھپکی تھی ایک پل تو کہا کہ جی نے کہ لاٹھ کے چل
دلِ بے قرار نے آن کر مجھے چٹکی لے کے جگا دیا

نہ تو تاب ہے تنِ زار میں نہ قرار ہے غمِ یار میں
مجھے سوزِ عشق نے آخرش یونہی مثلِ شمع گھلا دیا

نیاز

۲۷۔ رات کے بے چین گھنٹے

دُنیا تمام غفلت کی نیند سو رہی تھی
اور شورشِ جہاں تک خاموش ہو رہی تھی

سناٹا کل فضائے عالم پہ چھا چکا تھا
پچھلے پہر کا گھنٹہ بارہ بجا چکا تھا

وقتِ رواں کا ہر دم ہوتا تھا یہ اشارہ
اے سونے والو دیکھو تم مجھ کو آشکارا

میرا قدم ازل سے کل کائنات پہ ہے
اک نقش پا ہے دن پر اور ایک رات پہ ہے

خمخانۂ فلک میں رندوں کا جمگھٹا تھا
محفل سکوت کی تھی اور دور چل رہا تھا

چوٹی سے کوہ نو کی تھی جوئے نور جاری
اور روشنی کا گویا برسا رہی تھی پانی

میں نے جو غور کر کے دیکھا جو چاند تھا وہ
بادل کی جھاڑیوں میں تھا رہ ڈھونڈتا وہ

تنہائی محض نے تھا ایسا مجھے اُبھارا
بے اختیار ہو کر میں نے اسے پکارا

اے پھرنے والے دشتِ غربت میں آسماں کے
اے رہ نوردِ یوسف انجم کے کارواں کے

اے رات کے مسافر بے زادِ راہ و ساماں
کس منہ سے اپنے گھر ہم تجھ کو بلائیں مہماں

گھر کیسا؟ آہ گھر بھی تو یاں نہیں کوئی ہے
ہر شئے میں غیریت ہے ہر چیز اجنبی ہے

لیکن نہیں بتانے کو تیرا ہاتھ میں ہوں
چل جس طرف کو چلنا ہے تیرے ساتھ میں ہوں

اس دیس میں ہوا ہوں آ کر تباہ میں بھی
تیری طرح چلا ہوں بے زادِ راہ میں بھی

پھرتا ہوں زندگانی کے توسن رواں پر
اک پاؤں ہے زمیں پر اور ایک آسماں پر

تیری طرح ابھر کر جاتا ہوں ڈوب میں بھی
یعنی طلوع ہوتا ہوں اور غروب میں بھی

گھیرے ہوئے مجھے بھی تاریکیٔ محن ہے
تیری طرح سے میرے بھی واسطے گہن ہے

یعنی ہوں گاہ روشن اور گاہ ماند میں بھی
بس ایک چاند تو ہے اور ایک چاند میں بھی

تو وہ کہ تجھ سے روشن رہتی ہے آدھی دنیا
میں وہ کہ مجھ سے رونق پکڑے ہے ساری دنیا

ساری زمیں پر انجم ہے میری روشنی سے
دن ہو رہا ہے میری بجلی کی روشنی سے

اے ماہِ آسماں من آں ذرۂ زمینم
صد ماہ چوں تو پنہاں در جیب آستینم

اے چاند حالِ میرا تجھ سے چھپا نہیں ہے
تو اور میں ہوں کوئی یاں دوسرا نہیں ہے

یہ سب تو شاعرانہ میری تعلیاں تھیں
لفاظیاں تھیں اور سب رنگیں بیانیاں تھیں

سن کان دھر کے اپنی بپتی تجھے سناؤں
میرا تو حال یہ ہے میں تجھ سے کیا چھپاؤں

طوفاں کا جیسے مارا ساحل کو ڈھونڈتا ہو
یا وہ تھکا ہوا جو منزل کو ڈھونڈتا ہو

یا جیسے وہ پتنگا جو کھیل جائے جی پر
اور دوڑ کر گرے جو شعلے کی روشنی پر

یا جس طرح وہ بیوہ جو غم میں جل رہی ہو — اور خاک اپنے شوہر کی جو کریدتی ہو
صدیاں گذر گئیں ہیں مجھ کو تلاش کرتے — خالق کو اور اس کے اسرار فاش کرتے
جانچی ہیں میں نے برسوں خورشید کی شعاعیں — ذروں پہ میں نے برسوں دوڑائی ہیں نگاہیں
تہ تک سمندروں میں غوطے لگا گیا ہوں — پتال تک زمین کے اندر چلا گیا ہوں
تحت الثریٰ سے گذرا اڑتا زقند بھرتا — افلاک پھاڑتا اور اجسام قطع کرتا
چمکا کبھی افق پر خورشید شرق بن کر — تڑپا کبھی فضائے عالم میں برق بن کر
اونچا بہت غباروں میں بیٹھ کر اڑا ہوں — بادل میں چھپ گیا ہوں تاروں میں مل گیا ہوں
سیرِ عدم کر آیا میں اسپتنک اوڑاتا — گذرا صراط پر سے بائیسکل اوڑاتا
جنت میں جا کے وعدے لے آیا حوروں سے میں — دوزخ کا دیکھ آیا دروازہ دور سے میں
شمس و نجوم کی میں رفتار دیکھ آیا — اور کائنات کے کل اسرار دیکھ آیا
کیا دورہ کواکب اور کیا قیام شمسی — دیکھا پڑا ہے میرا سارا نظام شمسی
گردش کی شکل میں نے اس طرح کھینچ دی ہے — گویا زمین میری اُنگلی پہ گھومتی ہے
دنیا کا کام سارا مجھ سے نکل رہا ہے — یہ کارخانہ میرے پرزوں سے چل رہا ہے
لیکن تمام اس سرگردانی کا نتیجہ — یہ ہے۔ کہ سر جھکائے افکار میں ہوں بیٹھا
تحقیق اور تجسس کے دام میں پھنسا ہوں — وسواس میں گھرا ہوں اوہام میں پھنسا ہوں
کہنے کو ہوں میں فارغ کہلانے کو ہوں کامل — جو چیز ہے فراغت مجھ کو کہاں ہے حاصل؟
سب زندگی کی خوشیاں ہیں خاک میں ملا کر — بیٹھا ہوں دونوں ہاتھوں پر اب جھکائے ہوئے سر

صحرا میں آہ آہو بھرتے ہیں جب کہ بُلبلیں | بے فکر ہو کے جب وہ سبزے پہ لوٹتے ہیں
گرتے ہیں جب کہ بھونرے پھولوں کے جام مل پر | جب بُلبلیں مچاتی ہیں شور شاخِ گُل پر
چشموں پر غول باندھے چڑیاں جب آ گری ہیں | جب وہ پروں سے اپنے پانی اُچھالتی ہیں
اُس وقت میرے دل پر اک ابر چھا گیا ہے | اور وہ برس کے گھنٹوں مجھ کو رُلا گیا ہے
اس وقت میں نے جانا ہے زندگی یہی ہے | اصلی خوشی یہی ہے زندہ دلی یہی ہے
پھر سوچ کر کہ میرا کیا حال ہے میں کیا ہوں | بس چوندھیا گیا ہوں ایسا کہ چیخ اٹھا ہوں
باز آیا علم و فن کی میں ایسی روشنی سے | گذرا میں ایسے جینے اور ایسی جانکنی سے
اے لذتوں کے پھندو تم میری جان چھوڑو | اے حوصلو مجھے تم کوئی تو آن چھوڑو
اے علم میں فضیلت سے تیری باز آیا | اے عقل میں ہدایت سے تیری باز آیا
روز ایک نہ ایک بکھیڑا تو نے لگا دیا ہے | جب تو نے رائے دی ہے مجھ کو پھنسا دیا ہے
اے عشق جان تجھ سے اپنی بچا رہا ہوں | اے شوق تجھ سے پیچھا اپنا چھڑا رہا ہوں
جس راہ تم نے چاہا مجھ کو لے چلے ہو | تم کھینچتے چلے ہو تم پیلتے چلے ہو
آہ اے امید تو نے مجھ کو بہت تھکایا | اے آرزو کے پودو کچھ تم سے پھل نہ پایا
اے جذبِ حسن او اے جوشِ شباب رخصت | اے ذوق و شوقِ عشقِ خانہ خراب رخصت
بس اے ہوسِ دنیا اب میں الگ رہونگا | اب اے بہشت تجھ کو میں لے کے کیا کرونگا

ہر محفلے کہ یاراں شرب مدام کردند
چوں نوبت من آمد آتش بجام کردند

اے چاند دو بجے ہیں اور میں بھی تھک گیا ہوں
یہ نیند کا نشہ ہے جو کچھ بہک گیا ہوں

غم نامہ سن چکا تو میرا مری زبانی
زنہار تو کسی سے کہنا نہ یہ کہانی

تو شورشِ جہاں میں مہرِ سکوتِ شب ہے
لوحِ طلسم ہے تو ٹوٹا تو بس غضب ہے

ہیں سربسر قدرت کے راز تیرے سر میں
اس میکدے کی کنجی ہے تیری ہی گھر میں

میں ہوں کلیم تیرا اور شمع طور تو ہے
نادر کے مالِ نعیما میں کوہ نور تو ہے

پروانہ میں ازل سے تیرے چراغ کا ہوں
بچپن سے جرعہ کش میں تیرے ایاغ کا ہوں

ے جامِ خواب راحت میرے قریب آجا
آنکھوں میں میری آجا دل میں میرے سما جا

یہ تھوڑی رات جو ہے کٹ جائے مجھ کو سوتے
اور تازہ دم میں اٹھوں ایسا کہ صبح ہوتے

رکھ دوں طلسم زنجیرِ ظلمت کو توڑ کر میں
قا موتی کی طرح نکلوں دامن نچوڑ کر میں

بس آنکھ بند کر کے خاموش ہو گیا میں
دو جھونکے ایسے مجھ کو آئے کہ سو گیا میں

نادر کاکوروی

۷۳۔ آخرِ شب

نالہ سینے سے کرے عزمِ سفر آخرِ شب
راہرو باندھے ہے چلنے پہ کمر آخرِ شب

سانس ٹھنڈی کسی مایوس کی ہے ورنہ نسیم
کر سکے ہے ترے کوچے سے گذر آخرِ شب

روکوں نالے کو نہ لب پر تو کروں کیا اے دل
شام تاثیر نہ اس میں نہ اثر آخرِ شب

انتہا عیش جہاں کی جو تو دیکھا چاہے   بزم مستاں پہ نگہ غور سے کر آخر شب
صورتِ ماہ شبِ بیست و پنجم سودا
کچھ ڈھلا جو وے سے آیا وہ نظر آخر شب

سودا

۷۴. محفلِ برہم

محفل برخاست ہے، پتنگے   رخصت شمعوں سے ہو رہے ہیں
ہے کوچ کا وقت آسماں پر   تارے کہیں نام کو رہے ہیں
اُن کی بھی نمود ہے کوئی دم   وہ بھی نہ رہیں گے جو رہے ہیں
دنیا کا یہ رنگ اور ہم کو   کچھ ہوش نہیں ہیں سو رہے ہیں
ارباب کمال چل بسے سب
سو میں کہیں ایک دو رہے ہیں

امیر

۷۵. مرحومہ کی یاد

ترجمہ از (Oft in the Stilly Night) مصنفہ ٹامس مور

رات کے پچھلے پہر سوتی ہیں جب چشم نجوم   الفت دیرینہ کی وادی میں اُڑ جاتا ہوں میں

اور اس وادی میں مرحومہ جو یاد آتی ہو تم — محو ہو جاتا ہوں کچھ ایسا مزا پاتا ہوں میں

وہ مکاں وہ قصر وہ تم وہ تمہاری حسرتیں — وہ گلے وہ عذر وہ گذری ہوئی دلچسپیاں

دیر تک کرتا ہوں میں یاد آہ اُن ایام کو — ہائے وہ راتیں کہاں وہ دن کہاں وہ تم کہاں

اس سکوت اس محویت میں پھر یہ آتا ہے خیال — روحیں منڈلاتی ہیں گر اوج فضائے عرش پر

اور چھپ کر آتی ہیں اس خاکدان عشق میں — تاکہ دیرینہ علائق دیکھ لیں پھر اک نظر

ق

شاید آجائے تمہاری رُوح بھی اور یہ کہے — کیا بتاؤں جنت الماویٰ میں میں کیسی رہی

اس جدائی میں رہا میرا تمہارا ایک حال — تم یہاں روتے رہے اور میں وہاں روتی رہی

پھر سراپا شوق ہو کر وہ غزل گاتا ہوں میں — تم جو تنہائی میں چپکے چپکے گایا کرتی تھیں کبھی

گونج کر جب نغمہ ٹکراتا ہے تو کہتا ہوں میں — یہ تمہاری روح مضطر آتی ہے گاتی ہوئی

یہ لب ولہجہ وہی ہے یہ سریلا پن وہی — لیکن اب اس میں تو کچھ کچھ ضعف کا انداز ہے

اور پھر کچھ سوچ کر پہچان کر کہتا ہوں

یہ وہی آواز ہے . بیشک وہی آواز ہے

نادر کاکوروی

۷۶۔ سوزِ دل

پھر دلِ سوختہ مصروفِ فغاں ہوتا ہے
ذکرِ سوزِ غم و اندوہ نہاں ہوتا ہے

کچھ خبر ہے تجھے شمشان کو جانے والے
سوزِ فرقت سے برا حال یہاں ہوتا ہے

خالقِ پاک تری روح کو ٹھنڈا رکھے
محوِ فریاد ترا سوختہ جاں ہوتا ہے

صبحدم یاد مجھے تیری "چتا" آتی ہے
شعلۂ سرخ جو مشرق میں عیاں ہوتا ہے

اور ہر شام تری رونقِ طلعت کے بغیر
غم کدے میں مری وحشت کا سماں ہوتا ہے

مری آہوں سے لیے داغِ جگر آتی ہے
لختِ دل ساتھ لئے اشکِ رواں ہوتا ہے

اب مرے واسطے ہے گلشنِ عالم سمن
ہر گلِ تر پہ شرارے کا گماں ہوتا ہے

آنچ سے آتشِ ہجراں کی ہوئی یہ صورت
جیسے تفسیدہ کوئی برگِ خزاں ہوتا ہے

پھیل جاتی ہے سرِ شام جو دھندلاہٹ سی
مہ جبیں۔ وہ مری آہوں کا دھواں ہوتا ہے

یہ نہیں رنگِ شفق اوجِ فلک پر جا کر
نفسِ گرم مرا شعلہ فشاں ہوتا ہے

آستیں میں ہے نہ دامن میں، لگی ہی دل میں
عزم کس سمت کا اے اشکِ رواں ہوتا ہے

تپشِ داغ سے آتی ہیں وہی کام آہیں
آگ پر جو اثرِ بادِ وزاں ہوتا ہے

تھا جلانا تو مجھے شمع بنایا ہوتا
یا وہ پروانہ جو محفل میں تپاں ہوتا ہے

مجمرِ دہر میں کیا خوب ہے معصومِ سپند
یہ سلگنے کا عذاب اس کو کہاں ہوتا ہے

آج محرومؔ تم نکالے ہیں بہت گرم اشعار
دل جلوں کا یہی انداز بیاں ہوتا ہے

محروم

۷۷۔ نوحۂ دوست

اشک حسرت ترے مدفن پہ بہانے آیا
تو نے جو داغ دیا تجھ دکھانے آیا

مرض الموت میں بھیجا تھا جسے عید کا کارڈ
وہ ترے بستر خاکی کے سرہانے آیا

جس کے شعروں کو بہت شوق سے تو سنتا تھا
آج وہ تجھ کو ترا نوحہ سنانے آیا

رات اندھیری ہے طبیعت نہ پریشاں ہو تری
شعلۂ آہ کی اک شمع جلانے آیا

چھوڑ احباب کو سونا ہے سو تا ہے پر چین سے تو
نعرۂ درد سے میں تجھ جگانے آیا

ہائے جس کے لئے صد دولتِ بیدار تھا تو
وہ بیدار خود تجھے مرقد میں سلانے آیا

جیتے جی پھول سے تھی تجھ کو بہت کچھ نسبت
میں ترے ڈھیر پہ بھی پھول چڑھانے آیا

نیرنگ

❀

٦٨۔ تسکین قلب

مرے چاہنے والے کیوں تڑپ رہے ہیں
یہ جان اپنی کس واسطے کھو رہے ہیں؟

میں مردہ نہیں ہوں ٹھکانے سے جی ہے
کہوں کیا مرے دل کو کیسی خوشی ہے

نہ روئیں نہ روئیں ابھی خشک ہونگے
جو قطرے ہیں رخسار پر آنسوؤں کے

میرا حال سن کر انہیں غم نہ ہوگا
وہ رنج و تعب اور وہ ماتم نہ ہوگا

بر آئی ہے مرنے پہ میری تمنا
وہاں پہونچا ملنے کا وعدہ جہاں تھا

خدا نے نصیبوں سے یہ دن دکھائے
ثمر خشک شاخوں میں اب جا کے آئے

یہاں تاج تاروں کا ہے میرے سر پر
کہاں جا کے چمکا ہے میرا مقدر

ٹہلتا ہوں ہر وقت خلد بریں میں
محبت کا معدن ہے جس سرزمیں میں

میرے چاہنے والے ہرگز نہ روئیں
غم ہجر میں جان اپنی نہ کھوئیں
مرے واسطے رنج اٹھانے سے حاصل
یہ رونے سے آنسو بہانے سے حاصل

وہاں میرے رہنے کی تھی کون صورت؟
جہاں تھی مروت۔ محبت نہ اُلفت

گناہوں کا اور معصیت کا تھا مسکن
جہاں ایک صورت میں بھی دوست دشمن

جہاں ابر غم تھا۔ اندھیرا بہت تھا
جہاں جان جانے کا کھٹکا بہت تھا

یہاں کی مگر زندگی۔ زندگی ہے
سراپا مسرت۔ مجسم خوشی ہے

یہاں ناز کرتے ہیں مجھ پر فرشتے
اٹھے ہر طرف سے اُن آنکھوں کی پردے

مکاں ہے مرا جلوہ گاہ محبت
میسر ہے ہر دم کسی کی زیارت

یہ اس مصحفِ رخ میں لکھا ہوا ہے
خوشی میں بقا ہے تو بعدِ فنا ہے

جو پہونچا جہاں تک یہ اسکی عنایت
خوشا میری قسمت خوشا میری قسمت

مرے چاہنے والے ہرگز نہ روئیں
غمِ ہجر میں جان اپنی نہ کھوئیں
مرے واسطے رنج اٹھانے سے حاصل؟
یہ رونے سے آنسو بہانے سے حاصل

سید علی سجاد

۷۹۔ درد

دامان کوہ میں جو میں ڈاڑھ مار رویا
اک ابرواں سے اٹھ کر بے اختیار رویا

ہر گل زمین یہاں کی رونے ہی کی جگہ تھی
مانند ابر ہر جا میں زار زار رویا

یہ عیش گہہ نہیں ہے یہاں رنگ او رکچھ ہے
ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا

ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاید
کہ روزگار کے مرخوں ہی ہزاروں کا

میر

۸۰ - دو رنگی

فکر تعمیر دل کسو کو نہیں
ایسی ویسی بنائیں کیا کیا ہیں

گہ نسیم صبا ہے گاہ سموم
اس چمن میں ہوائیں کیا کیا ہیں

شور رہے ترک شیخ کا لیکن
چپکے چپکے دعائیں کیا کیا ہیں

میر

۸۱ - یادِ ویرانہ

پڑا ہے آج جو یہ بے مکیں ویرانہ
بنا دیا ہے جیسے کسی نے غم خانہ

کسی زمانہ میں عیش و طرب کا یہ گھر تھا
چہل پہل تھی غضب کی غضب کا یہ گھر تھا

اگرچہ اب نہ رہا بام و در کا وہ نقشہ
مگر مجھے نہیں بھولا ہے گھر کا وہ نقشہ

یہاں تھا صحن وہاں سائباں ادھر دالان
ادھر کو آدھی اک کوٹھری رفیع الشان

ادھر کو وہ مری خلوت تھی آہ خوش منظر
پرانے تارے آتے تھے جس جگہ سے نظر

یہیں گرمیوں میں یہاں آہ شام کو اکثر — تھا لیٹتا کبھی ہلکی سی اک مسہری پر
وہ چھوٹی چڑیوں کا کنگنی پہ تیری اے دیوار — چہک چہک کے ہم آہنگیوں سے گانا ملار
وہ لاڈلی مری بچپن کی فاختہ ہے کدھر — تھا آشیانہ کبھی آہ جس کا کوٹھے پر
غضب کی درد بھری جس کی تھی کبھی "کوکو" — تھی دوپہر کو جو سرگرم نالۂ یاہو
گذر گئی ہو نہ جی سے اجل نصیب کہیں — کہ اب نظر نہیں آتی مجھے غریب کہیں

میں کاش اس کے پر و بال کا نشان پاتا
تو پاس رکھ کے دل غمزدہ کو بہلاتا

یہاں پہ آہ! وہ دالان تھا جو خوش منظر — میں گرمیوں میں جہاں محو خواب تھا اکثر
اسی کی اک شکستہ سی رہ گئی دیوار — اسی کی ہائے! یہ خستہ ہی رہ گئی دیوار
یہیں تو راتوں کو جلتے تھے خوشنما فانوس — یہیں کے بلور کے روشن تھے جا بجا فانوس
یہیں کے فرش پہ لوٹتا تھا بچپن میں — کہ چاندنی میں یہیں کھیلتا تھا آنگن میں
خوشی برستی تھی دیوار تیرے منظر سے — کہ تجھ کو آہ محبت تھی میرے گھر بھر سے
مری رفیق تھی اور میری ہم خیال تھی تو — کہ رنج و عیش میں میری شریک حال تھی تو
مرا تھا ان دنوں ساون میں جب مرا بھائی — اُداسی چہرے پہ گھر بھر کے غم میں تھی چھائی
پڑا ہوا تھا میں اک کھرّی چارپائی پر — ملول و خستہ و ماتم زدہ لپیٹے سر
تو غمزدہ سی تھی اس وقت تو بھی اے دیوار — اُداس مجھ کو نظر آتے تھے ترے رخسار
جگر خراش فسانہ وہ یاد ہے اگلا — کہ گرمیوں کا زمانہ وہ یاد ہے اگلا

وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ جیٹھ کی وہ سموم — وہ دل ملول وہ چہرہ فسردہ و مغموم

تھے دے رہے مجھے جب گرمیوں کے دن آزار
تو ہو رہی تھی پریشان تو بھی اے دیوار

کدھر ہے آہ وہ عہدِ گذشتۂ دیوار — گزر گئے مرے طفلی کے کیا وہ لیل و نہار
وہ کم سنی کا زمانہ نہ آئے گا پھر کیا — وہ دن نہ مجھ کو زمانہ دکھائے گا پھر کیا
ملے تھے مجھ کو جو طفلی کے آہ دن دو چار — وہ گزرے گود میں تیرے ہی اے مری غمخوار
تجھی نے مجھ کو سکھائے خرام کے انداز — تجھی نے مجھ کو بتائے خرام کے انداز
وہ چھوڑ دیتا لڑکپن میں مجھ کو دائیہ کا — ترے سہارے سے چلنا وہ سیکھنا میرا
وفا کے اگلے وہ پیماں یاد ہیں تیرے — مربیہ! مجھے احسان یاد ہیں تیرے
مچل کے جب کسی شے پر میں روٹھ جاتا تھا — کسی کی گود میں جب آہ میں نہ آتا تھا
تو تجھ سے لگ کے میں ہو جاتا تھا کھڑا دیوار — ملا کے تجھ سے میں روتا تھا غمزدہ خسار
اُداس دیکھ کے مجھ کو گلے سے لپٹا کر — لگا کے سینے سے آنسو بھی پونچھتی اکثر
نہیں ہوں آہ لڑکپن کی وہ ادا بھولا — میں جب بڑا ہوا اور گیند کھیلنا سیکھا
مرے رفیق نہ جب کھیلنے کو آتے تھے — نکل کے گھر سے کہیں باہر میں نہ جاتے تھے
برستی ہوتی تھی جب گھر میں مینہ کی بوچھار — تو کھیلتا تھا میں اس وقت تجھ سے اے دیوار

تجھے میں گیند تھا دیتا مجھے تو دیتی تھی
بلائیں دور سے ہو کر نثار لیتی تھی

بجا ہے آہ یہ میرا خیال کیا دیوار — کہ تو مجھے بھی نہ بھولی ہو اے مری غم خوار

مگر یقین مرے دل کو آہ کیونکر ہو — کہ میری یاد ابھی نقش تیرے دل پر ہو

خدا کرے مجھے اے کاش تو نہ بھولی ہو — مجھے بھی آہ یہ تیری آرزو نہ بھولی ہو

اگرچہ دور رہا تجھ سے میں فراق نصیب — اگرچہ سائے سے تیرے بچھڑ گیا میں غریب

گزر گئے تری فرقت میں آہ کتنے سال — رہا میں وادیِ غربت میں آہ کتنے سال

میں اگو رہین ستم ہائے روزگار رہا — ترے خیال سے غافل نہ زینہار رہا

زمانہ یاد لڑکپن کا جب کبھی آیا — ترا خیال وہیں بن کے بیکسی آیا

تھا اتفاق کہ تیرے قریب آ نکلا — ادھر کو بھول کے میں غم نصیب آ نکلا

نصیب پھر ترا دیدار دیکھیے کب ہو — ادھر کو عزم دلِ زار دیکھیے کب ہو

جدا میں ہوتا ہوں تجھ سے ترا خدا حافظ

نکلتی ہے مرے دل سے دعا خدا حافظ

سرور جہاں آبادی

۸۲۔ پراگندگیِ احباب

میں کیا کیا تھا ترا اے سپہر کج رفتار — کہ یہاں تلک تو ہوا میرے درپے آزار

جو چند کس تھے موافق مری طبیعت کے — بہر لمحہ مجھے کٹتے تھے ان میں لیل و نہار

اگرچہ ہاتھ سے تیرے ہر ایک نالاں تھا — یہ درد دل کا تو کرتے تھے یکدگر اظہار

بسر طریق مرا وقت خوش گزرتا تھا — بھلے بُرے سے زمانہ کے کچھ نہ تھا سروکار

لے آیا وہ اس سے مجھے اب تو اس مصیبت میں — کہ یاں نہ مونس و ہمدم نہ یار نے غمخوار

خوشا وہ عہد میں روتا ہوں یاد میں جس کی

نہ ہے وہ وقت کہ جس کا ہے درمیاں تکرار

قایم

۸۳۔ افسردہ دلی

محفلِ عیش سے گر حظ ہو اٹھانا اے دوست — ہم سے آزردہ دلوں کو نہ بُلانا ہرگز

وہ گئے دن جو چمن زار میں دل لگتا تھا — سچ ہے یکساں نہیں رہتا ہے زمانہ ہرگز

ہم صفیرانِ چمن سب ہوئے گرمِ پرواز — اب خوش آتا نہیں گلزار میں جانا ہرگز

میں ہوں اک مجمعِ احباب کا بچھڑا گلچیں — مجھ کو گلدستۂ رنگیں نہ دکھانا ہرگز

رہی یارانِ گزشتہ کی کہانی باقی

یہ تو بھولا ہے نہ بھولے گا فسانہ ہرگز

؟

۷۴۔ حقیقت عالم

دل کشی اس بزم کی ظاہر ہی تم دیکھو تو ہو
لوگ جی دیتے چلے جاتے ہیں کس حسرت سے یاں

صورتوں سے خاکداں یہ عالم تصویر ہے
بولیں کیا اہلِ نظر خاموش ہیں حیرت سے یاں

کیا سر جنگ و جدل ہو بے دماغِ عشق کو
صلح کی ہے تیر نے ہفتاد و دو ملت سے یاں

میر

۷۵۔ بے ثباتی

شادی و غم جہاں میں توام ہے
لیک غم ہے بہت خوشی کم ہے

کیا قافلہ یاران گزشتہ کا گیا دور
نقش قدم پا ہے نہ آواز جرس ہی

صبا سے پوچھی جو یاران رفتگاں کی خبر
اڑا دی خاک کہ دیکھو غبار باقی ہی

لئے جاتا ہے کوئی مجھ کو کہیں
نہیں معلوم کدھر جاتا ہوں

تو جو پڑا پھرتا ہے آج کہیں کل کہیں
اے دلِ خانہ خراب تجھ کو بھی ہے کل کہیں

دُنیا کی سیر کرنا وقفہ ہے کوئی دم کا
محمل کسے کھڑے ہیں، تیار قافلے ہیں

نہ وہ لالہ نہ گُل نہ وہ سروِ رواں قمری و بلبل زمزمہ خواں
تجھے رحم کچھ آیا نہ بادِ خزاں جو مٹا دیئے نقش و نگارِ چمن

ھوس

۸۶۔ فنا

شمع میں ہرچند ہے سر سے گزر جانے کی طرح
کھپ گئی لیکن ہمارے دل میں پروانے کی طرح

کوسوں کا نہیں فرق وجود اور عدم میں
قصہ ہے تمام آمد و شد کا دو قدم میں

ساقی ہے اک تبسمِ گل فرصتِ بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

کسی کے مرگ پہ اے دل نہ کیجیئے چشم تر ہرگز
بہت سا رو دیئے ان کو جو اس جینے پہ مرتے ہیں

سودا

۸۷۔ عبرت

جہاں ویرانہ ہے پہلے کبھی آباد گھر یاں تھے
شغال اب ہیں جہاں رہتے کبھی بستی بشر یاں تھی

جہاں چٹیل ہے میداں اور سراسر ایک خارستاں
کبھی یاں قصر و ایوان تھے چمن تھے اور شجر یاں تھی

جہاں پھرتے بگولے ہیں اڑاتے خاک صحرا میں
کبھی اڑتی تھی دولت رقص کرتے سیمبر یاں تھی

جہاں ہیں سنگ ریزے تھے یہاں یاقوت کے تودے
جہاں کنکر پڑے ہیں اب کبھی رلتے گہر یاں تھی

جہاں سنسان اب جنگل ہوا ہے شہر خاموشاں
کبھی کیا کیا تھے ہنگامے یہاں اور شور و شر کیا تھی

ظفر احوال عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر یاں تھی

ظفر

۸۸۔ حسرت

گرفتار محبت ہوں اسیر دام محنت ہوں
میں رسوائے جہانِ آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں

عجب انداز ہے میرے مزاجِ لاابالی کا
نہ ممنونِ تمنا ہوں نہ مشتاقِ مسرت ہوں

مری بیتابیوں کا قول ہی ہم جانِ تمکیں ہیں
مری افتادگی کہتی ہے تاجِ فرقِ عزت ہوں

نہیں ہے نہ دل کوئی تو میں ہوں قدرداں اپنا
تکلف برطرف بیگانۂ رسمِ شکایت ہوں

کمالِ خاکساری پر یہ بے پروائیاں حسرت
میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

حسرت

۸۹ - ہم

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بے دلیٔ ہمرہاں سے ہم

کچھ ایسی دور بھی تو نہیں منزلِ مراد
لیکن یہ جب کہ چھوٹ چلیں کارواں سے ہم

اے یادِ یار دیکھ کہ باوصفِ رنجِ ہجر
مسرور ہیں تری خلشِ ناتواں سے ہم

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم

اے زہدِ خشک تیری ہدایت کے واسطے
سوغاتِ عشق لائے ہیں کوئے بتاں سے ہم

بیتابیوں سے چھپ نہ سکا حالِ آرزو
آخر بچے نہ اس نگہِ بدگماں سے ہم

مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہِ ناز
تنگ آ گئے ہیں کشمکشِ امتحاں سے ہم

خلوت بنیگی تیرے غمِ جاں نواز کی
لیں گے یہ کام اپنے دلِ شادماں سے ہم

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق
پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

حسرت پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی
اچھا جو سر اٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

حسرت

۹۰۔ خدا حافظ

اب دلِ زار کا خدا حافظ
ایسے بیمار کا خدا حافظ

بڑھ گئے سارے ہمرہانِ سفر
مجھ گرانبار کا خدا حافظ

ہو قفس میں بھی جس کا شوقِ چمن
اُس گرفتار کا خدا حافظ

شوق لرزاں کا حال ہے جو یہی
جامِ سرشار کا خدا حافظ

پرسشِ جُرمِ عشق واں ہی شروع
مجھ گنہگار کا خدا حافظ

سخت جانوں پہ اٹھنے والی ہے
تیری تلوار کا خدا حافظ

مجھ کو دیکھا تو عفو نے بھی کہا
اس گنہگار کا خدا حافظ

خوابِ غفلت کے دور میں حسرت
دلِ بیدار کا خدا حافظ

حسرت

۹۱۔ تمنّا

اب دل ہے نہ وہ عیشِ فراوانِ تمنّا
سب لوٹ لیا یاس نے سامانِ تمنّا

اب تک وہی رونق ہے سیہ خانۂ دل کی
باقی ہے جو اک شمع فروزانِ تمنّا

راضی ہیں بنے یا نہ بنے کام ہمارا
ہم لوگ ہیں سرگشتۂ و حیرانِ تمنّا

اس چشمِ فسوں کار کی دزدیدہ نگاہیں — ہے مایۂ صد نازشِ پنہانِ تمنا
رسوائیِ انکار سے بیدل نہیں ہوتے — ہم ہیں وہ جہاں دیدہ گدایانِ تمنا
اب عشق کو درکار ہے اک عالمِ حیرت — کافی نہ ہوئی وسعتِ میدانِ تمنا

آغاز کی روداد تو معلوم ہے حسرتؔ
لیکن نظر آتا نہیں پایانِ تمنا

تر گریۂ حسرت سے ہے دامانِ تمنا — مجھ سا بھی نہ ہو کوئی پشیمانِ تمنا
ناکامیِ پیہم سے جو ٹوٹا دلِ عاشق — سب چھوٹ گئے قیدیِ زندانِ تمنا
پھر تازہ ہوا جوشِ جنوں فصلِ گل آئی — پھر شوق ہوا سلسلہ جنبانِ تمنا
پھر سر ہے مرا اور وہی سودائے محبت — پھر دل ہے مرا اور وہی طوفانِ تمنا
بیت الغزلِ حسن کچھ ایسے ہیں وہ ابرو — ہے جن کی ہوس حاصلِ دیوانِ تمنا
گلگوں نہ ہوئیں اشکِ ندامت سے وہ آنکھیں — بے صرفہ ہوا خونِ شہیدانِ تمنا

امید ہی امید میں رہ جائے نہ حسرتؔ
یوں ہی نہ گزر جائے یہ دورانِ تمنا

اس حد سے بڑھے کب ہے یہ امکانِ تمنا — دیدارِ رخِ یار ہے پایانِ تمنا
عالی ہے بہت مرتبۂ عشقِ حقیقی — مایوس نہ ہوں حوصلہ مندانِ تمنا
ہر روز ترا ذکر ہے ہر شب ہی تری یاد — یہ جانِ تمنا ہے وہ جانانِ تمنا
واقف نہیں دشواریِ تعلیمِ فنا سے — دل ہے ابھی اک طفلِ دبستانِ تمنا

ہم کو جو وہ بھولے ہیں تو ہم کیوں نہیں کہہ بیٹھے
زنہار یہ نخوت نہیں شایان تمنا

محرومیِ جاوید کی تقریر بجا ہے
کیوں توڑ دیا شوق نے پیمانِ تمنا

اس روئے نکو میں بھی وہی نور ہے حسرت
جس نور سے روشن ہے شبستانِ تمنا

حسرت

۹۲۔ صلاح

عشق میں ہیچ ہے پابندیِ برہاں کی صلاح
ماننا چاہیے ہم کو دلِ ناداں کی صلاح

دل بھی راضی ہے کہ آلودہ فریاد نہ ہو
ہم بھی خوش ہیں کہ یہی غمِ پنہاں کی صلاح

زندگی درد پہ موقوف ہے اے چارہ گرو
یہ مری موت کے ساماں ہیں کہ درماں کی صلاح

دلِ افسردہ عاشق کے لیے ہے بیکار
دوستو سیرِ گل و سنبل و ریحاں کی صلاح

جانِ افکار پہ طاری ہوئی رقت کیا کیا
آبلوں سے جو سنی خارِ مغیلاں کی صلاح

جل بجھے اب یہ کہیں جلد کہ ہوتی ہے یہی
دلِ سوزاں کے لیے دیدۂ گریاں کی صلاح

دریہ عشق رہی خاطرِ دشوار پسند
نہ سنی ہم نے کسی خواہشِ آساں کی صلاح

موسمِ گل میں تعجب کیا ہے اگر مان گیا
شوقِ پیمانہ طلب ستی پیماں کی صلاح

کیسے کہہ دوں کہ میں اب بھی نہ پیونگا حسرت
حکمِ ناصح تو نہیں ساقیِ دوراں کی صلاح

حسرت

۹۳- میرے لئے

اُس تجوِ تغافل کی جفا میرے لئے ہے ۔۔۔ صد شکر کہ اتنا تو روا میرے لئے ہے
دشمن کے مٹانے سے مٹا ہوں نہ مٹونگا ۔۔۔ اور یوں تو میں فانی ہوں فنا میرے لئے ہے
اس میں بھی مجھے شک ہی کہ ظاہر ہے بناوٹ ۔۔۔ وہ شوخ جو غیروں سے خفا میرے لئے ہے
وہ حسن کے مالک ہیں جفا تھی انہیں جائز ۔۔۔ میں بندۂ خوباں ہوں وفا میرے لئے ہے
پاکر مجھے بیکس تری رحمت یہ پکاری ۔۔۔ یہ بندۂ بے برگ و نوا میرے لئے ہے
زاہد کو جو حق ہو بھی تو ہے تجھ پہ جزا کا ۔۔۔ البتہ میں خاطی ہوں عطا میرے لئے ہے
دعوت میں تری میں بھی ہوں معلوم ہی لیکن ۔۔۔ کیا غیر کی خاطر ہے کیا میرے لئے ہے
ارباب ہوس تجھ سے ہیں نالاں تو نہیں خوش ہو ۔۔۔ جو اُن کو سزا ہے وہ جزا میرے لئے ہے
کہتے ہیں وہ اب قدر ہوئی ہم کو وفا کی ۔۔۔ گویا کہ یہ سب مدح و ثنا میرے لئے ہے
اُس گیسوئے برہم کی اُڑا لائی ہے نکہت ۔۔۔ آوارگیِ بادِ صبا میرے لئے ہے

اوروں پہ نوازش ہیں جو بے باک ہیں حسرت
قسمت سے وہ مجبورِ حیا میرے لئے ہے

تیرا کرم جو رہنما میرے لئے ہے ۔۔۔ یہ درد کہ ہے جانِ دوا میرے لئے ہے
پرسش جو ہوئی روزِ ازل قسمتِ غم کی ۔۔۔ بے ساختہ دل بول اٹھا میرے لئے ہے
میں اپنی مصیبت پہ ہوں نازاں کہ وہ خوش ہیں ۔۔۔ مجھ سے کہ یہ پابندِ بلا میرے لئے ہے

غیروں سے کبھی ہے انہیں نفرت کبھی الفت — اِن دونوں سے اک بات جدا میرے لئے ہے

ایسا تو نہ ہوگا کہ نہ پہونچوں ترے در تک — جب تیری کشش راہ نما میرے لئے ہے

مقصود ہے اتنا کہ رہے مجھ پہ توجہ — مخصوص یہ اندازِ جفا میرے لئے ہے

جو بندۂ دنیا ہیں مبارک انھیں دنیا — میں دین کا پیرو ہوں خدا میرے لئے ہے

ہر حال میں ہوں خوش کہ ہر بات میں لازم — پابندیٔ تسلیم و رضا میرے لئے ہے

دیکھا تو کہا مجھ کو غمِ یار نے حسرت
یہ سوختۂ بے سر و پا میرے لئے ہے

حسرت

۹۴۔ ہنوز

تیرِ غم کا ہے دل نشانہ ہنوز — شیوۂ جاں ہے عاشقانہ ہنوز

دل میں اب تک ہی عیشِ وصل کی یاد — لب پہ ہے شوق کا ترانہ ہنوز

آہ وہ ماجرائے راز و نیاز — جس کا باقی ہے اک فسانہ ہنوز

عشق تھا باریابِ خدمتِ حسن — ہم کو ہے یاد وہ زمانہ ہنوز

قائم اب تک ہی اعتبارِ جنوں — چل رہا ہے یہ کارخانہ ہنوز

شوق کے در پہ ہیں ابھی سے ہجوم — یار ہے اندرونِ خانہ ہنوز

سرخیٔ چشمِ یار سے ہے عیاں — اثرِ مستیٔ شبانہ ہنوز

دیدنی ہیں وہ بال صبح وصال — جن تک آیا نہیں ہے شانہ ہنوز
آشکار است بر جبین نیاز — نور آن خاک آستانہ ہنوز
نغز گوئی کی شان میں حسرت
تیرے اشعار ہیں یگانہ ہنوز

حسرت

۹۵۔ رہنے دے

نشانہ ستم بے حساب رہنے دے — خراب حالِ وفا کو خراب رہنے دے
نہ چھیڑ دیکھ انہیں محو خواب رہنے دے — خدا کے واسطے اے اضطراب رہنے دے
شتاب کار محبت ہوں میں نہیں معلوم — کہ حسن سے انہیں کب تک حجاب رہنے دے
ہزار عشق تری چشم نیم وا پہ نثار — نہ ڈال مجھ پہ یہ افسونِ خواب رہنے دے
بڑے عذاب میں ہے جانِ مے کشاں ساقی — نہیں شراب تو فکرِ شراب رہنے دے
زبانِ شیب میں اے یار ہمنشیں مجھ سے — بیانِ قصۂ عہدِ شباب رہنے دے
تو اپنی سادگیِ حسن آئینے میں نہ دیکھ — یونہی ہے خوب اسے لاجواب رہنے دے
تجھے یہ کس نے سکھائی فریب حسن کی بات — کہ اہلِ شوق کو ناکامیاب رہنے دے
میں چاہتا تو بہت ہوں کہ چپ رہوں حسرت
پہ جب یہ خاطرِ بے صبر و تاب رہنے دے

حسرت

۹۶۔ اضطراب

وصل میں بھی تو وہی ہے دل کی شانِ اضطراب
عیش حاصل ہو رہا ہے رائیگانِ اضطراب

شوق بے حد کے ارادوں سے ہے واقف نازِ حسن
شرمِ خوباں سب سمجھتی ہے زبانِ اضطراب

رحم سے بیگانہ ہی تمکینِ بے پروائے دوست
کر چکے ہیں بار رہا ہم امتحانِ اضطراب

حسن ہر حالت میں غالب عشق ہی مغلوبِ حسن
آپ کی شوخی ہی ناحق بدگمانِ اضطراب

کب بر آئے گی سکونِ جانِ مضطر کی امید
کب بسر آئے گا یا رب یہ زمانِ اضطراب

بیقراری ہی مناسب تھی تری ناکام کو
ہو گیا ہے سود مایوسی زیانِ اضطراب

ہے غضب اس شہسوارِ حسن کا فتراک ناز
دل ہے جس میں اک شکارِ نیم جانِ اضطراب

حوصلے اب تک وہی ہیں خاطرِ بیتاب کے
ناتوانی میں بھی ہے باقی توانِ اضطراب

اب ملے گا جلد حسرت ساحلِ بحرِ فنا
کشتیٔ غم میں لگا ہے بادبانِ اضطراب

حسرت

۹۷۔ نہ ہوا

تجھ کو پاسِ وفا ذرا نہ ہوا
ہم سے پھر بھی ترا گلا نہ ہوا

ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی
دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہوا

جان عاشق نثار دوست ہوئی — شادی مرگ کا بہانہ ہوا
کٹ گئی احتیاجِ عشق میں عمر — ہم سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
تیرے اس التفات کا ہوں غلام — جو ہوا بھی تو برملا نہ ہوا
حسن کی شان سادگی سے بڑھی — طرۂ زلف گر دوتا نہ ہوا
کچھ عجب چیز ہے وہ چشم سیاہ — تیر جس کا کبھی خطا نہ ہوا
روبرو اُن کے کچھ نہیں معلوم — کیا ہوا بے خودی میں کیا نہ ہوا
حیف ہے اُس کی بادشاہی پر — تیرے کوچے کا جو گدا نہ ہوا
خم کے خم غیر لے گئے ساقی — ہم کو اک جام بھی عطا نہ ہوا
مر گئے ہم تو مٹ گئے سب رنج — یہ بھی اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
ڈر گیا اُس نگاہِ برہم سے — دل کو یارائے التجا نہ ہوا
جب تلک میرے دل میں جان رہی — دردِ مایوس مرحبا نہ ہوا
مل گئی مجھ کو صبرِ عشق کی داد — وہ جو شرمندۂ جفا نہ ہوا

قانعِ رنجِ عشق تھا حسرت
عیشِ دُنیا سے آشنا نہ ہوا

پیروِ عشق رہنما نہ ہوا — زاہدِ خشک باخدا نہ ہوا
کون لاتا ترے عتاب کی تاب — خیر گذری کہ سامنا نہ ہوا
عشق یا حسن کون ہے غالب — آج تک اس کا فیصلہ نہ ہوا

خلشِ خارِ عشق مٹ نہ سکی
چارۂ جانِ مبتلا نہ ہوا

حسنِ بے مہر نے یہ کچھ نہ کیا
مونسِ عشقِ بینوا نہ ہوا

تم جفاکار تھے کرم نہ کیا
میں وفادار تھا خفا نہ ہوا

بڑھ گیا اور بھی تغافلِ حسن
نالۂ عشق نارسا نہ ہوا

راحتِ جانِ عاشقاں نہ ہوئی
تجھ سے اتنا بھی اے قضا نہ ہوا

اُس پہ آسائشِ بقا ہے حرام
جو تری راہ میں فنا نہ ہوا

لطفِ ساقی تھا بیدریغ مگر
مجھ بلانوش کا بھلا نہ ہوا

چھڑ گئی جب جمالِ یار کی بات
ختم تا دیر سلسلہ نہ ہوا

جسم سے روح ہو گئی آزاد
لفظ معنی سے گو جدا نہ ہوا

عشقِ حسرت کے سب ہوئے قائل
ایک وہ دشمنِ وفا نہ ہوا

لائقِ قربِ اولیا نہ ہوا
وہ جو بیخوفِ ماسوا نہ ہوا

اُس جفاکار سے خدا کی پناہ
جو ترا بندۂ وفا نہ ہوا

ہو گیا راہِ عشق میں شہید
وہ فنا ہو کے بھی فنا نہ ہوا

سخت ہے عشق میں مقامِ رضا
ہم سے بھی طے یہ مرحلہ نہ ہوا

عشق بازی وہ کیا کرے گا جسے
جاں نثاری کا حوصلہ نہ ہوا

جاں نثاری بھی کیا ہے اُس کی جسے
خندۂ زخمِ دل کشا نہ ہوا

لذتِ عشق کب ملی، جب تک ... ا ... ہیں
قدرِ حریت اس کو کیا معلوم ... جو کبھی

سر ترا بارِ دوش ہے حسرت
راہِ حق میں اگر فدا نہ ہوا

یوں تو عاشق ترا زمانہ ہوا ... مجھ سا جاں باز دوسرا نہ ہوا
خود بخود بوئے یار پھیل گئی ... کوئی منت کش صبا نہ ہوا
میں گرفتارِ الفتِ صیاد ... دام سے چھٹ کے بھی رہا نہ ہوا
ہجر میں جانِ مضطرب کو سکون ... آپ کی یاد کے سوا نہ ہوا
رہ گئی تیرے فقرِ عشق کی شرم ... میں جو محتاج اغنیا نہ ہوا
خبر اس بے خبر کی لا دیتی ... تجھ سے اتنا بھی اے صبا نہ ہوا
ان سے عرضِ کرم تو کیا کرتے ... ہم سے خود شکوۂ جفا نہ ہوا

ہو کے بے خود کلامِ حسرت سے
"آج غالب غزل سرا نہ ہوا"

حسرت

❊

۹۸۔ حرص

ہے کسے خدمتِ اسلام کی حرص
لوگ رکھتے ہیں فقط نام کی حرص

دین کا غم ہو تو کیا چیز ہے غم
حرص دنیا ہو تو کس کام کی حرص

رہنماؤں کیلئے خاص ہی فرض
طلبِ مسمت عام کی حرص

پی لیا کرتے ہیں چلو سے شراب
مے پرستوں کو نہیں جام کی حرص

ہم کو لے آئے ہی تجھ تک صیّاد
لذتِ کشمکشِ دام کی حرص

اُس جفا کار کا ابتک ہی خیال
دیدنی ہے دلِ ناکام کی حرص

دل پہ القائے غمِ شوق کے بعد
ہم کو باقی نہیں الہام کی حرص

اُس پہ دعوائے محبت ہے حرام
روز و شب ہو جسے آرام کی حرص

طلبِ جاہ کہاں تک حسرت
چھوڑ اس آرزوئے خام کی حرص

حسرت

۹۹۔ باتیں

ہم سمجھتے ہیں یار کی باتیں
دل سمجھتا ہے پیار کی باتیں

تم سے ملنے میں یہ ملا ہم کو
سُننی پڑتی ہیں چار کی باتیں

پھر ادھر لے چلا ہمیں دیکھو | اس دل بے قرار کی باتیں
یاد آتا ہے ہائے رہ رہ کر | وہ زمانہ وہ پیار کی باتیں
وعدہ کرنا وفا نہیں کرنا | ہیں یہی اعتبار کی باتیں
وفصل گل اب کہاں خزاں آئی | ہے فسانہ بہار کی باتیں

آج بہکے ہوئے سے ہیں عالی
ہیں یہ شاید خمار کی باتیں

عالی

۱۰۰ - تڑاق پڑاق

نہ کیجیے ہم سے گفتگو بہت تڑاق پڑاق | وگرنہ ہووے گی پھر وہ بدو تڑاق پڑاق
الٰہی محتسب سنگدل کے ٹوٹیں ہاتھ | کہ توڑتا ہے یہ جام و سبو تڑاق پڑاق
وہ دینے پائے نہ گالی کہ لے لیے ہم نے | ہزار بوسہ رخ نکو تڑاق پڑاق
جو کچھ وہ پوچھے تو رک جائیے نہ اے قاصد | تجھے خدا کی قسم کہیو تو فراق پڑاق
جو اک بات کہوں تو جواب میں اس کے | سنائے سو وہ مجھے تند خو تڑاق پڑاق

ظفر مزاج جو شوخی پسند ہے اپنا
تو چاہتا ہے کوئی خوب رو تڑاق پڑاق

ظفر

۱۰۱۔ کیا جانے کیا ہے

وہ بیٹھے ہیں خفا کیا جانے کیا ہے
کسی نے کہہ دیا کیا جانے کیا ہے

دکھا جا اپنی صورت آج ہم کو
کہ کل اے دل رُبا کیا جانے کیا ہے

علاجِ دردِ دل ہی وصلِ جاناں
طبیب اس کی دوا کیا جانے کیا ہے

کسی صورت نہیں آرام دل کو
اسے یہ ہو گیا کیا جانے کیا ہے

محبت کی حلاوت ہم سے پوچھو
کوئی اس کا مزا کیا جانے کیا ہے

ظفرؔ ہے خاک کا پُتلا یہ انساں
پر اس میں بو لتا کیا جانے کیا ہے

ظفر

ظفر اپنی انسائیکلوپیڈیا

۱۰۳۔ یہ اور وہ

یار سے نسبت ماہ کو کیا۔ یہ یہ ہی ہے وہ وہ ہی ہے
اس میں کہاں یہ ناز و ادا۔ یہ یہ ہی ہے وہ وہی ہے

طرزِ خرام ناز کو تیرے گرچہ اڑا لے کبک دری
لیکن پھر اسے ہوش رُبا۔ یہ یہ ہی ہے وہ وہ ہی ہے

تیرے روئے مصفا سے کیا خاک مقابل آئینہ ہو
ایسی کہاں ہے اس میں صفا۔ یہ یہ ہی ہے وہ وہ ہی ہے

میرے چشم طوفاں زا سے ابر مقابل کیا ہو ظفر
جس نے دیکھا اس کو کہا۔ یہ یہ ہی ہے وہ وہ ہی ہے

ظفر

۱۰۳- حسن تکرار

ترے پر سے جھڑنے لگے شرر نہ تڑپ تو بلبل زار یں
جلے گا قفس جلے گا قفس جلے گا قفس جلے گا قفس

کوئی کارواں جو نکل گیا سوئے بخد تو قیس یوں لبل اٹھا
وہ بجا جرس وہ بجا جرس وہ بجا جرس وہ بجا جرس

تو شہید ابر سیہ سے کہہ ۔وہ شراب پیتے ہوں جس جگہ
وہیں جا برس وہیں جا برس وہیں جا برس وہیں جا برس

شہید

۱۰۴۔ اور ہے

گرمی بازار آہ دیکھ ولا اور ہے
کل کی ہوا اور تھی آج ہوا اور ہے

اے ستم ایجاد ہم تجھ سے کہاں تلک کہیں
طرز جفا اور ہے رسم وفا اور ہے

دامنِ گُل تونے تو چلتے ہوئے چھو لیا
بات لگاوٹ کی پر بادِ صبا اور ہے

اس کے تڑپنے کو اب برق سے پوچھے کوئی
یہ دل بے تاب ہے قبلہ نما اور ہے

پیشِ اطبا مجھے لے تو چلے ہو ولے
مجھ کو ہے آزارِ عشق اس کی دوا اور ہے

نصیر

۱۰۵۔ پھر کیا ہے

ظفر

وہاں رسائی نہیں تو پھر کیا ہے
یہ جُدائی نہیں تو پھر کیا ہے

ہو ملاقات تو صفائی سے
اور صفائی نہیں تو پھر کیا ہے

دل رُبا کو ہے دل ربائی شرط
دل ربائی نہیں تو پھر کیا ہے

گلہ ہوتا ہے آشنائی میں
آشنائی نہیں تو پھر کیا ہے

اللہ اللہ رے ان بتوں کا غرور
یہ خدائی نہیں تو پھر کیا ہے

موت آئی تو ٹل نہیں سکتی
اور آئی نہیں تو پھر کیا ہے

گسِ قابِ اغنیا ہوتا — بے حیائی نہیں تو پھر کیا ہے
بوسۂ لبِ دلِ شکستہ کو — مومیائی نہیں تو پھر کیا ہے
نہیں رونے میں گر ظفرؔ تاثیر
جگ ہنسائی نہیں تو پھر کیا ہے

ظفر

۱۰۶۔ تحفہ

جب خوش ہو تو دے گالی اکبار سو یہ تحفہ — رنجش تو کہوں کس سے۔ ہی پیار سو یہ تحفہ
ہر دم کے تفحص سے لائے ہیں بجاں تجھ کو — غم اپنے کی وہ صورت۔ غم خوار سو یہ تحفہ
سن نظم کو سوداؔ کی منہ پھیر لگا کہنے
آفاق میں وہ شہو۔ اشعار سو یہ تحفہ

سودا

۱۰۷۔ ہم کو

کہتے ہو اتحاد ہے ہم کو — ہاں کہو اعتماد ہے ہم کو
آہ کس ڈھب سے روئیے کم کم — شوق حد سے زیادہ ہے ہم کو
شیخ پیرِ مغاں کی خدمت میں — دل سے اک اعتقاد ہے ہم کو

بدگمانی ہے جس بلا سے آہ
قدر شور و شنا ہے ہم کو

دوستی ایک سے بھی تجھکو نہیں
اور سب سے عناد ہے ہم کو

نامرادانہ زیست کرتا تھا
میرؔ کا طور یاد ہے ہم کو

میر

۱۰۸ - طرح

نقش آلہی دل کا مرے کون لے گیا
کہتے ہیں سارے عرش میں ہی اس مکاں کی طرح

جوں سبزہ چل چمن میں لب جو پہ سیر کر
عمر عزیز جاتی ہے آب رواں کی طرح

کرتے تو ہو ستم پہ نہیں رہنے کی حواس
کچھ اور ہو گئی جو کسو خستہ جاں کی طرح

دل کو جو خوب دیکھا تو ہو کا مکان ہے
ہے اس مکاں میں ساری وہی لا مکاں کی طرح

کس طرح جی سے گزر جاتے ہیں آنکھیں موند کر
دیدنی ہے دردمندوں کو بھی مر جانے کی طرح

یوں بھی سر چڑھتا ہے اے ناصح کوئی مجھ بیکسی پر
ایسے دیوانہ کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح

جان کا ضرر نہیں ہے کچھ تجھے کڑھنے میں میر
غم کوئی کھاتا ہے میری جان غم کھانے کی طرح

میر

٭

۱۰۹- ہو گئیں

(مثلث بر غزل غالب از وحید دہلوی)

رونق افزائے بہارِ صد گلستاں ہو گئیں
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

کیا کہیں یکساں نہیں حالِ دلِ شیدائیاں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

بے تکلف اب میں کیونکر جلوہ گر زیرِ آسماں
تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

اہلِ باطن حالِ ظاہر پر نہیں کرتے نظر
قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

یہ کھلا افسانہ ہم پر کاروانِ مصر سے
سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

ہم سے ہے ضبطِ جوشِ اشک یکسر دل پہ شاق
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

گر رہی حسرت میں اپنا ہو گیا قصہ تمام
ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

قابلِ رشک اے پری یارو ساری باتیں اسکی ہیں — نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اسکی ہیں

تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

یہ مری فریاد سے کیسا دبستاں کھل گیا — میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا

بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

زخمِ پنہاں کی خلش سے ہو رہا ہوں بیقرار — وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار

جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

دیکھا گیا کار پردازیِ ضبطِ شوق ہٹ — بسکہ روکا میں نے اور سینہ میں ابھریں پے بہ پے

میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

کر دیا تنبیہ درباں ہی نے مجھکو لاجواب — دہاں گیا بھی تو انکی گالیوں کا کیا جواب

یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

قوتِ دل ہی زباں پر بھی جو یہ نام آگیا — جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا

سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

ہر طرف ہے اس طریقِ خاص کی دنیا میں دھوم — ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ایسی حالت میں قریبِ دل نہیں آتا ہی رنج — رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

جوشِ گریہ سے وحید آخر بہے گا آسماں — یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہلِ جہاں

دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

وحید و غالب

۱۱۰ - زمزمۂ نشاط

زندگی مزے کی ہے۔ لطف جاں اٹھائے جا
حملہ ہائے فکر و غم۔ ہوں اگرچہ دمبدم
ظلم دشمناں سہی۔ جور دوستاں سہی
داغ رفتگاں سہی۔ سوزش نہاں سہی
ماجرائے حسن و عشق۔ خار دل اگر بنے
زندگی کہیں جسے۔ وہ تو سیل آب ہے
شب بزم یا وہ شمع گم۔ ہی اگر تو کیا ہے غم
مغتنم ہے ساقیا۔ فرصت انبساط کی
ماضی پہ خاک ڈال۔ کل پہ چھوڑ کل کا حال
جو ہوا وہ ہو چکا۔ عاقبت کی فکر کیا
میری جان عندلیب۔ بام شاخسار سے

لطف جاں اٹھائے جا۔ مزے اڑائے جا
وار سب بچائے جا۔ فکر و غم مٹائے جا
رشک رازداں سہی۔ بھول جا بھلائے جا
داغ یہ چھپائے جا۔ آگ یہ بجھائے جا
دل سے تو نکال پھینک۔ یہ خلش مٹائے جا
یہ جلی اور بہلائے جا۔ یہ جلی اور بہلائے جا
جب تلک کہ جل سکے۔ بیدھڑک جلائے جا
پی بھی اور پلائے جا۔ پی بھی اور پلائے جا
جام و شیشہ اب سنبھال۔ دیے پلائے جا
آج ہے بڑا مزا۔ یہ مزا اڑائے جب
تخت نو بہار سے۔ فرط انبساط سے
مستی نشاط سے۔ خوب چہچہائے جا
خوب چہچہائے جا۔ فصل گل منائے جا
فصل گل منائے جا۔ اگنی سلائے جا
راگنی سنائے جا۔ یہ دل مرا لبھائے جا

تیری زندگی ہے راگ ۔ تیری ہی زندگی ہے رنگ

ہو نغمۂ طرب ۔ تو مجھے بنائے جا
راگ رنگ مل گئے ۔ میں سنوں تو گائے گا
گلے رہا بجائے جا ۔ خوب چھپائے جا
مست نغمۂ انبساط ۔ تو مجھے بنائے جا

اے خیال ابتدا ۔ اے خیال انتہا
اے خیال احتیاط ۔ اے خیال احتیاج
اے خیال معصیت ۔ اے خیال معدلت
اے ہوائے آرزو ۔ اے امید بیم تو

دو گھڑی تو چین لے ۔ اتنا مت ستائے جا
اتنا مت ستائے جا ۔ ہوش مت اڑائے جا

گل کھِلا دکھلائے جا ۔ سبزہ لہلہائے جا
ہائے وہ تو اڑ گئی ۔ لو یہ کیا سنا گئی
بے طلب تو ہاتھ آئے ۔ اور طلب سے بھاگ جائے

میری پیاری عندلیب ۔ تو بھی چھپائے جا
جستجوئے عیش میں ۔ عمر مت گنوائے جا
اشتیاق انبساط ۔ دل سے تو بھلائے جا

خدمتِ خدا و خلق ۔ ہے نشاطِ زندگی
اس میں اپنا جان و مال شوق سے لگائے جا

اعجاز حسین بی اے

۱۱۱ - مُبارکباد

تجھے مبارک ہو شاہ اکبر یہ تاج و مسند یہ تخت و افسر
کہ یہ ہے خورشید۔ یہ ہے گردوں۔ یہی ہے کرسی یہ عرش اکبر

جناب خاقان۔ ابن خاقاں۔ خدیو والا وہ شاہ شاہاں
سپہر جاہ و ملک سپاہ و فلک غلام و ستارہ چاکر

سدا یہاں کا۔ اس آستاں کا۔ ترے سخن کا ترے بیاں کا
فلک ملازم۔ سپہر خادم۔ زماں مطیع و جہاں مسخر

درون حاسد۔ دل معاند۔ عدو کے مژگاں۔ حسود کی جاں
گئے خراب و گئے کباب و گئے پر آب و گئے بباد

اساس باغی۔ عدو کا خرمن۔ تن مخالف۔ غبار دشمن
نثار سیل و نیاز آتش سپرد خاک و دوچار صرصر

وہ جود دیکھ اور زرفشانی وہ عدل دیکھ اور جہاں ستانی
گدا فریدوں فقیر قاروں خفیف کسریٰ خجل سکندر

ممنون

٭

۱۱۲۔ اندھی پھول والی کا گیت

گود میں مالن کے ہیں لٹتے ہوئے ڈالی کے پھول
لو خریدارو یہ اندھی بیچنے والی کے پھول

تم ہو جس دنیا کے ساکن نور کی دنیا ہے وہ
عالمِ ظلمات ۔ مجھ مجبور کی دنیا ہے وہ

ہو مبارک تم کو دنیا کے نظارے دیکھنا
دن کو نورِ مہر شب کو چاند تارے دیکھنا

میں وہاں ہوں ہے اندھیر گھپ جہاں چھایا ہوا
بے قصور اس سیہ خانہ میں گھبرایا ہوا

تم کو قدرت نے عطا کی قوت نظارگی
اور میں محروم قدرت بندگی بیچارگی

نظم دنیا کا ہے جامِ جم تمہارے واسطے
تم ہو عالم کے لئے عالم تمہارے واسطے

فلسفہ قدرت کا ان پھولوں میں دکھلاتی ہوں میں
ان میں جو جو خوبیاں ہیں تم کو سمجھاتی ہوں میں

محفلِ غنچہ سے بڑھ کے یہ آزاد گل بوٹے ہوئے
آ گئے ہیں ماں کی گود سے چھوٹے ہوئے

نہ ہم ہے نقش و نگارِ گل غلط ہے یہ گماں
عارضِ گل پر ہیں پیاری ماں کی بوسوں کے نشان

باعث عبرت ہے ان کا عالم افسردگی
مادرِ گیتی سے چھٹ کر پائی ہے پژمردگی

نازپروردۂ چمن ہیں یہ جوانانِ چمن
حسن کی دنیا کے ساکن ہیں یہ یارانِ چمن

کل کے دن تک تھی یہی سب طرح وہ بستا باغ
ان کی رونق دیکھتی تھی نرگسِ بیمار باغ

دستِ گلچیں سے حفاظت دل میں تھی ٹھانے ہوئے
خار گلشن ہر طرف تھے برچھیاں تانے ہوئے

جب ہوئے پورے جواں تو ہو گئے عاشق مزاج
اب خود ان کو صاحبانِ حسن کی ہے احتیاج

آرزو یہ ہے کسی کی طرۂ دستار ہوں
خواہشیں یہ ہیں حسینوں کے گلے کا ہار ہوں

بادہ خود ہیں اور ہر حالت میں یہ دلسوز ہیں / اور حسینوں کو اتالیقِ وفا آموز ہیں
ہمدمِ راحت بھی ہیں اور غم گسارِ غم بھی ہیں / رونقِ شادی، شریکِ محفلِ ماتم بھی ہیں
صرف بزمِ عیشِ معشوقِ ستم ایجاد بھی / اور کبھی زیبِ مزارِ عاشقِ ناشاد بھی
تو خریدار و چلو یہ بے رُخی اچھی نہیں / رات بھر کی ہے یہ رونق صبح کو کچھ بھی نہیں

خندہ زن ہیں ایک شب کی زندگانی کیلئے
اپنے گھر لے جاؤ ان کو میہمانی کیلئے

سید مہدی حسن صاحب تمنا احسن لکھنوی

۱۱۳۔ پیام

دور افتادۂ یارانِ گلستانِ وطن / تجھ کو پیغام یہ اے بادِ صبا دیتے ہیں
ہم صفیروں سے یہ کہنا کہ گرفتارِ قفس / یاد کرتے ہیں تمہیں اور دعا دیتے ہیں

تم ہمیں بھول گئے یہ تو نہ تھی شرطِ وفا
دیکھنا تو کہ جواب اس کا وہ کیا دیتے ہیں

Please see

۱۱۴۔ سپوت بیٹا

آتا ہے ہند سے تو اے نوجوان سپاہی — مجھ کو بھی کچھ بتا جا۔ رکھے تجھے الٰہی
اُنیسویں کی پلٹن ہے اک وہاں بہادر — جس کا ہر اک سپاہی مشہور ہے دلاور
کچھ ان کا حال کہنا اور مجھ کو یہ بتلانا — کیا ہیں وہ سب سلامت اور خرم و توانا
بیٹا مرا ہے اُن میں۔ میرا عزیز لڑکا — جس کی ہے سب سے بڑھ کر دنیا میں مجھکو پروا
احسان کرے گا ماں پر اس کی خبر بتا کر
لے رانڈ کی دعائیں، اس کی خبر سُنا کر

ہمراہیوں ہمارے میں۔ موجود جنگ میں تھا — حصہ میرا بھی واں پر تیر و خدنگ میں تھا
انیسویں جو پلٹن ہے خوب جانتا ہوں — اُس کے سپاہیوں کی جرات کو مانتا تھا
افسر ہوں یا سپاہی سب سے ہوں میں شناسا — ہمراہیوں سے اپنے ہر اک ہے دوست میرا
لایا پیام ہوں اک تیرے لیے بڑی ماں
رابرٹ کا تیرے پیغام خوش خوش سنو بڑی ماں

رابرٹ کو میرے تم پہچانتے ہو بیٹا؟ — سچ سچ بتانا جو کچھ تم جانتے ہو بیٹا
اے نیک خو سپاہی اس کا پیام کیا تھا — کہنا اُسی کے الفاظ اُس کا کلام کیا تھا
ہائے وہ لفظ کہنا جو اس کے منہ سے نکلے — لخت جگر کے میرے جو اپنے منہ سے نکلے
تجھ کو خبر نہیں وہ کیسا مجھے ہے پیارا — اپنی ضعیف ماں کی ہے آنکھ کا وہ تارا

فرقت میں اس کی ماں کا کیا حال ہو رہا ہے
یہ دل میرا غموں سے پامال ہو رہا ہے

ہیولاک کی لڑائیاں اُس نے لڑی ہیں ساری
دشمن پہ وار سارے اُس کے ہوئے ہیں کاری

دو بار لکھنؤ پہ وہ چڑھ کے خوب اڑا ہے
تلوار سے لڑا ہے اور توپ میں لڑا ہے

کر شکر اس خدا کا جس نے اُسے بچایا
ہر معرکے میں اُس پر حق کا رہا ہے سایہ

صد شکر یا الٰہی. طاقت نہیں بیاں کی
تو نے سُنی دعائیں اس کی غریب ماں کی

اے دو جہاں کے مالک اے کردگار میرے
اس رانڈ ناتواں کی سُن لی. نثار تیرے

گولے کی زد سے روکا تلوار سے بچایا
اپنے کرم کا نقشہ دل پر میرے جمایا

پر ہاں مجھے بتا دے پیغام اُس کا کیا تھا
اپنی ضعیف ماں کو کہنے کو کیا کہا تھا

اے ماں بہادری سے تیرا لڑا ہے لڑکا
اور ہر زباں پہ اس کا پھیلا ہوا ہے چرچا

کرنل کی جان کو اُس نے رن میں بچایا تھا
سرکار میں یہ قصہ سارا لکھ گیا تھا

اس کے صلے میں اس کو تمغہ عطا ہوا ہے
زائد برآں وظیفہ اُس کو دیا گیا ہے

ہے خوش نصیب لڑکا تیرا بہت بڑی ماں
خوش قسمتی کا اس کی تارا ہے درخشاں

اے نیک دل سپاہی تیری زباں پہ رحمت
جس خانداں سے ہے تو اس خاندان پہ رحمت

اے پیارے مرنے والے تو کاش آج ہوتا — اس میرے جھونپڑے میں کیا رنگ راج ہوتا
دکھ درد سہے تھے سب محو ہو گئے ہیں — سالوں کے رنج و غم کو یہ لفظ دھو گئے ہیں
پر ہاں ابھی تو باقی کچھ پوچھنا تھا تم سے — حالت تھی اس کی کیسی اور کیا کہا تھا تم سے

رابرٹ کا حال کیا تھا اور زندگی رویہ کیا تھا
لِلّٰہ مجھے بتا دو تم سے جو کچھ کہا تھا

سرخی ہے اس کی رنگت تانبا سی ہو رہی ہے — داڑھی نکل کے خوبی عارض کی کھو رہی ہے
ایسا بدل گیا ہے وہ نازنین شمائل — پہچان اس کی اماں تم کو بھی ہو گی مشکل
مرد جوان کیا ہے ہم نے تمہارا بچہ — دل اس کا پر وہی ہے ہرگز نہیں ہے بدلا
رکھتا ہے یاد تجھ کو کرتا ہے تیری باتیں — اور جانتا نہیں ہے وہ ایسی ویسی باتیں

لیکن جہاز اس کا پہنچے گا کنارے
جلدی ہی خود ملے گا وہ آ کے تم کو پیارے

ہیں! سچ وہ آ رہا ہے سچ مچ ملے گا مجھ کو — کب میرا پیارا ننھا دیدار دے گا مجھ کو
تم نے کہا ہے جلدی وہ آیا چاہتا ہے — جھوٹا نہیں میں اماں سچ مچ وہ آ چکا ہے

او میرے پیارے رابرٹ! اماں تمہاری واری
او ماں میں تیرے قرباں۔ حق نے سُنی ہماری

عبدالرشید چشتی

١١٥۔ شاعر کی دُعا

اے فیض رساں دامنِ محتاج کو بھر دے — پتھر بھی پگھل جائے وہ نالوں میں اثر دے
نہ تاج عطا کر نہ زر و لعل و گہر دے — شبیر کے مداحوں میں داخل مجھے کر دے
دنیا کے کسی خواب پریشاں کو نہ دیکھوں
ممبر جو ملے تختِ سلیماں کو نہ دیکھوں

خاقان ہو تو قدموں سے کبھی سر نہ لگاؤں — آنکھیں بھی کرے فرش تو بستر نہ لگاؤں
خورشید بے چتر تو سر پر نہ لگاؤں — گر کوہ طلا ہوئے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
سونا ہو جدھر گرد قدم جھاڑ کے پھینکوں
اکسیر کے نسخے جو ملیں پھاڑ کے پھینکوں

جو مصرعِ رنگیں ہو فصاحت سے بھرا ہو — جو درد کا مضمون ہو رقت سے بھرا ہو
جو بند ہو پاکیزہ عبارت سے بھرا ہو — معنی سے و فصاحت سے بلاغت سے بھرا ہو
ہر کڑی میں دریا کی روانی نظر آئے
پتھر کا بھی مضمون ہو تو پانی نظر آئے

مونس

۱۱۶۔ شاعری کا تصنع

صاحب ہیں کئی اس طبقے میں شعراء کے
ہم بزم سخنداں کو نہ ان سے کہے تقدیر

استاد کی ان کے ہی انھوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر

اتنا تو لازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجہ و ناخن نہ لکھو وودہ کو تم شیر

جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ ترازو
باندھو نہ کبھی شعر میں تم لفظ شکم سیر

تم شعر و سخن اپنے کی بندش میں کماں بن
بولو نہ نگہ یار کو یارو نہ کبھو تیر

چہرے کو نہ معشوق کے دو شمع سے تشبیہ
تا زلفوں کو باندھو نہ کسی شکل سے گلگیر

مضمون جو قد و زلف کا معشوق کی باندھو
لکھو الف و لام کے سیپارے کی تفسیر

استاد کی اس پند پہ کی اور ترقی
شیوہ وہ لیا جس میں کہ ہو غیر کی تحقیر

مضمون جو ہو ریختے کا تازہ کسی کے
کرتے ہیں اسے فارسی میں باندھ کے تشہیر

پھر کہتے ہیں بولا ہے کسی استاد کا یہ شعر
سرقہ یہ کیا جن نے بڑا ہے کوئی بے پیر

اتنا یہ سمجھتے نہیں ناداں کہ جہاں میں
حاصل نہیں ہوتی ہے کچھ ان باتوں سے توقیر

سر رشتہ ہے عزت کا فقط ہاتھ خدا کے
افزائش قدر اپنی میں چلتی نہیں تدبیر

قطرہ وہی پانی کا ہے قسمت کی ہے تفریق
ہو ایک تگرگ ایک گہر ہو کے گرہ گیر

سودا

١١٧۔ عام اردو شاعری

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت ... کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیں یہ زنہار
سوائے عشق نہیں سوجھتا انہیں مضمون ... سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار
نہ لکھتے ہیں کبھی نیرنگِ حکمت و قدرت ... نہ واقعات کہ وہ کھینچے ہیں نقش و نگار
ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ ... کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں آپ عاشق زار
صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار ... ستم شعار۔ دل آزار۔ بے وفا مکار
ہے دلبروں کی بھی شامت نہ منہ رہا نہ کمر ... بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار
یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول ... پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگسِ بیمار
جو ٹوٹن ہال کی محراب ہے خمِ ابرو ... تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار
زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا ... بھنور ہے نافہ کہ جس سے نہ ہوگا بیڑا پار
شبِ فراق کا دکھڑا اگر کریں تحریر ... تو دنیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار
جو ناصحوں سے ہی کھٹ پٹ تو زاہدوں سے چخ ... جو ساقیوں سے لگاوٹ تو مغبچوں سے پیار
غریب شیخ پہ ہر دم دولتیاں جھاڑیں ... کریں مساجد و کعبہ سے دُم دبا کے فرار
کہاں ہے ان کا ٹھکانا کدھر ہے انکا مقام ... وہی ہے بیت صنم اور خانۂ خمار
بگھارتے ہیں تصوف تو کون دیگا داد ... کہاں ہے سعدی و حافظ۔ سنائی و عطار
کریں گے اس قدر ایمان و دیں کی تفضیح ... کہ گویا ہیں کوئی ہفتاد و ہشت کے کفار

اگرچہ ہاتھ میں تسبیح لب پہ ہو تو یہ — بنیں گے شعر میں ہاں مے پرست و بادہ گسار
جمالِ یوسف و اعجازِ عیسیٰ و موسیٰ — ہیں ان کی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار
نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
یہ ان کی نور بھری شاعری خدا کی مار

اسمٰعیل

۱۱۸۔ مصحفی کی معذرت

قسم بذاتِ خدا کہ ہے سمیع و بصیر — کہ مجھ سے حضرتِ شہ میں نہیں ہوئی تقصیر
سوائے اس کے کہ حال اپنا کچھ کیا تھا میں عرض — سو وہ بطور شکایت تھی اندکے تقریر
گر اس سے خاطرِ اقدس پہ کچھ غبار آیا — اور اس گنہ سے ہوا بندہ واجب التعزیر
سو وہ بھی ہو چکی یعنی بصورتِ ایجاد — گلی گلی تو ہوئی ساری شہر میں تشہیر
عوض ردو پوش کے ملیں مجھ کو گالیاں لاکھوں — عوض دوشالوں کے خلعت بشکلِ نقشِ حریر
سلف میں تھا کوئی شاعر نواز ایسا اکبر — جو ہے تو شاہ سلیماں شکوہ عرش سریر
مزاج میں یہ صفائی کہ کر لیا باور — کسی نے حق میں کسی نے جو کچھ کہ کی تقریر
مصاحب ایسے کہ گر کچھ کسی سے لغزش ہو — تو اس کے رفع کی ہرگز نہ کر سکیں تدبیر
دگر کریں تو پھر ایسی کہ نازِ طیش و غضب — مزاجِ شاہ میں ہو مشتعل بعید تشویر
سو تابِ ذرّہ کہاں نورِ آفتاب کہاں — کہاں وہ سطوتِ شاہی کہاں غرورِ فقیر

مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہیے
کہاں دقیقی و دیبا کہاں پلاس و حصیر

میں اک فقیر غریب الوطن مسافر نام
رہے ہے آٹھ پہر جس کو قوت کی تدبیر

مراد من ہے کہ مدح حضور اقدس کو
الٹ کے پھیر بحرف ذلیمہ دول تغییر

یہ افترا ہے بنایا ہوا سب انشا کا
کہ بزم و رزم میں ہے پائے تخت کا وہ مشیر

مزاج شاہ ہو یوں منحرف تو مجھ کو بھی
یہ چاہئے کہ کروں شکوہ اس کا پیش وزیر

اگر وزیر بھی بولے نہ کچھ خدا لگتی
تو جاؤں پیش محمدؐ کہ ہے بشیر و نذیر

شفیع روز جزا بادشاہ ادا ادنیٰ
نکردہ جرم پہ جس نے نہیں لکھی تعذیر

کہوں یہ اس سے کہ اے جرم بخش پر گنہاں
تری غلامی میں آیا ہے دادخواہ فقیر

خطا ہو میری جو پہلے تو کر اسیر مجھے
دگر عدو کی پہنا اس کو طوق اور زنجیر

اگرچہ بازیٔ انشائے ہے حمیت کو
رہا خموش سمجھ کر میں بازیٔ تقدیر

دے غضب ہے بڑا یہ کہ اب وہ چاہے ہے
خیال میں بھی نہ کھینچوں میں ہجو کی تصویر

سو میں ملک نہیں ایسا بشر ہوں خاکی و چند
کہے سے اس کے کروں گا نہ ماجرا تحریر

کیا ہیں فرعون کہ میں آپ اس سے درگذرا
پھرے گا مجھ سے کوئی گرم و منتظر کا ضمیر

اور ان پہ بھی جو کیا میں نے تازیانہ منع
تو ہو سکے ہے کوئی ان کی وضع کی تدبیر

ہزار شہدوں میں بیٹھیں ہزار جا پہ ملیں
پھریں ہمیشہ لئے اپنے ساتھ جمع کثیر

نہ مانیں تیغ سیاست نہ قہر سلطانی
نہ سمجھیں قتل کا وعدہ نہ ضربت شمشیر

مزاج ان کا ٹھٹھول اس قدر پڑا ہے کہ وہ
ہنسی سمجھتے ہیں اس بات کو نہ جرم کبیر

پھر اس پہ یہ بھی ہے یعنی کہ اس مقام کے بیچ | جو ہو عبث تو کچھ نثر میں کرے تسطیر
فکیف جن کو خدا نے کیا ہے موزوں طبع | اور اپنے فضل سے بخشی ہو شعر میں توقیر
یہ کوئی بات ہے سوسن کی وہ خموش رہیں | ہوا ہے مصلحتاً گو کہ تصفیہ یہ اخیر
مگر یہ بات ہیں باقی کہ سانگ کا باقی | اگر میں ہوں تو مجھے دیجے بدتریں تعزیر
ہیں آپ فاقہ کش اتنا کہاں مجھے مقدور | کہ فکر اور کروں کچھ بغیر آش تنعیر
مرے حواس پریشاں یہاں پریشانی | ہو جیسے لشکر شکستہ کی خراب بھیر
گر اس پہ صلح کی تغیری رہے تو صلح سہی | اگر ہو پھر بھی شرارت لبشر، ہوں میں بھی شریر
جواب ایک کے یاں دس ہیں اور دس کے سو | نگاہ کرتی تھی اوّل یہاں قلیل و کثیر
حصول یہ ہے کہ جب کوتوال تک تفضیہ | گیا ہوا زپئے تہدید شاعران شریر
تو کوتوال ہی بس اُن سے اب سمجھ لے گا | یہ دمبدم کی شکایت کی ہے عبث تحریر
یہ وہ مثل ہے کہ سارے شہر کے بیچ | بلند قامتی اپنی سے متہم ہو لعبیر
سو متہم مجھے ناداں نے ہجو نثر سے کیا | قباحت اس کی جو سمجھے تو اس کو دے تعزیر
ولے مزاج مقدس تو لاابالی ہے | نہیں خیال میں آتا خیال حرف حقیر
جو کچھ ہوا سو ہوا مصحفی بس اب چپ رہ | زیادہ کرنا عداوت کا ماجرا تحریر

خدا پہ چھوڑ دے۔ اس بات کو وہ مالک ہے
کرے جو چاہے جو چاہے کیا بحکم قدیر

۱۱۹۔ شکایت کم قدری

خطائے خصم نہیں کچھ یہ بخت کا ہی قصور
کہ مجھ سے طور نختیں نہیں مزاج حضور

وہی ہوں میں کہ اوائل میں سر ہلاتے تھے
ہر ایک مطلعِ رنگیں پہ جب کہ اہلِ شعور

وہی ہوں میں کہ جسے فیضیِ زماں انشاؔ
سمجھ کے دل میں نہ لاتا تھا کچھ خیالِ غرور

وہی ہوں میں کہ جسے خانہ زاد خاں صاحب
لکھیں ہیں نثر میں اپنی کلیم طورِ شعور

وہی ہوں میں جسے رنگیںؔ نے انبارِ دیواں
دکھا کے تا بہ تمامی کیا ہے رفعِ خطور

وہی ہوں میں کہ ہوں جس جس سے شاد شاد دلا
کسی نے غیرِ ستائش نہ کچھ کیا مذکور

وہی ہوں میں کہ جسے میر سوزؔ سلّمہٗ
کرے ہے یاد بلفظِ ستائشِ موفور

وہی ہوں میں کہ جسے میر مفخر الشعراء
کہے ہے ہاں جو کچھ آجائے ہی کبھی مذکور

وہی ہوں میں جسے مرزا قتیلؔ سحر بیاں
کرے تھا طرح پر اپنے بدوستی مامور

وہی ہوں میں جسے منتؔ تب بدل جانا
اگرچہ تھا وہ نہایت بشاعری مغرور

وہی ہوں میں جسے دیوانۂ سری سکھ نام
لگے تھا سر کو جھکانے میانِ راہ از دور

وہی ہوں میں جسے فاخرؔ نے بعد ردّ و بدل
کہا کہ کیجیے حقّت میانہ جمہور

وہی ہوں میں جسے جرأتؔ بھی خوب جانے ہے
کہ فنِ ریختہ میں بھی ہے یہ بڑا پُر زور

وہی ہوں میں کہ رہا جس کی نظمِ دلکش پر
مشاعروں میں ہمیشہ سے شورِ روزِ نشور

پر اب سخن میں مرے شاید آگئی سردی — کہ ان کی شورش تحسین ہوگئی کافور

عجب معاش ہے ان دوستان یکدل کی — اس اتحاد پہ یہ کچھ بھرے ہیں دل میں فتور

زیادہ فائدہ کیا اس کلام سے تجھ کو
ثنائے شاہ سلیمان کر اے ظفر مسطور

۱۳۰۔ شاعری کی گت

بعضوں کا گماں ہی یہ کہ ہم اہل زباں ہیں — دلی نہیں دیکھی ہی زباں داں یہ کہاں ہیں

پھر تس پہ ستم اور یہ دیکھو کہ عروضی — کہتے ہیں سدا آپ کو اور لاف زناں ہیں

سیفی کے رسالہ پہ بنا ان کی ہے ساری — سو اس کو بھی گھر بیٹھے وہ آپ ہی نگراں ہیں

ایک ڈیڑھ ورق پڑھ کے وہ جامی کا رسالہ — کرتے ہیں گھمنڈ اپنا کہ ہم قافیہ داں ہیں

نہ حرف جو وہ قافیہ کے لکھتے ہیں اسمیں — دانا جو انھیں سنتے ہیں کہتے ہیں ہاں ہیں

تعقید سے واقف نہ تنافر سے ہیں آگاہ — نہ حرف یہی قافیہ کے ورد زباں ہیں

کرتے ہیں کبھی ذکر وہ ایطائے خفی کا — ایطائے جلی سے کبھی پھر حرف زناں ہیں

اوّل تو ہے کیا شعر میں ان باتوں سے حاصل — بالغرض جو کچھ ہو بھی تو سب پہ عیاں ہیں

حاصل ہے زمانے میں جنہیں نظم طبعی — نظم ان کی کہ اشعار بہ آب رواں ہیں

پرواہ انہیں کب ہے ردیف اور روی کا — کب قافیہ کی قید میں آتش نفساں ہیں

مجھ کو تو عروض آتی ہے نہ قافیہ چنداں
ایک شعر سے گرویدہ کے پیر و جواں ہیں

مصحفی

۱۲۱۔ استغنا

صبحدم سنتا چمن میں مجھ کو آیا تھا نظر
ان دنوں شاید وہ کچھ شورِ جنوں میں تنگ ہے

پائے گلبن بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا
اک غزل پڑھتا تھا یہ مطلع کا جس کے ڈھنگ ہے

شمع کا میری صدائے خندۂ گل ننگ ہے
تنگ ہے جا بول بلبل گو تو خوش آہنگ ہے

تنگ ہے رکھنا قدم اس آستاں سی گر دوبار
خاکساری کو ہماری سرکشی سے ننگ ہے

آہ کس منہ سے کہوں تجھ کو کہ ٹک ادھر تو دیکھ
شکل سے میری سدا بیزار میرا رنگ ہے

ہو نکیں نازک جو لاؤں کب روکش حرفِ درشت
عکسِ بالِ طوطی اپنے آئینے پر سنگ ہے

تنگ ہے گلشن سے میرے شور کر ابرِ بہار
یاں صدائے رعد آوازِ شکستِ رنگ ہے

اس میں جرأت سے ہیں اس کا قطع کر طول کلام
یہ کہا چرخِ منقش کیا زمرد رنگ ہے

گوشۂ خاطر سے کہ تو لے ہے عوض اس قصر کو
سر اٹھا دیکھا تو ٹک اتنا ہی بولا تنگ ہے

ناگہ اس اثنا میں اک منعم نے آ اس سے کہا
بندہ خانہ کیا تمہیں تشریف لانا ننگ ہے

ہو مکلل ہیں مسند اور ہر ایک جا فرشِ سمور
ہر طرف مطرب بسر بر سرود رباب و چنگ ہے

نوش کرنے کو کباب اور پینے کے خاطر شراب
دیکھنے کو رقص محبوبانِ خوش آہنگ ہے

یہ کہاں تک کر جو ترغیب آپ کرتے ہیں مجھے — اس کو باور کیجیے گا یہ خیالِ بنگ ہے

ناز پروردہ جو استغنا کے ہیں اُن کے تئیں — اک قدم راہِ طلب طے کرنے سو فرسنگ ہے

دیکھنا راہِ اجل ان کو تماشا رقص کا — دردِ دل سننا کسی کا انکو عود و چنگ ہے

غم کسی دل سوختہ پر ان کو کھانا ہے کباب — نت انہیں خونِ جگر پینا مے گلرنگ ہے

خاکِ در راک ایسے کی ہیں وہ تری مسند ہی کیا — عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں تو انکا ننگ ہے

کہہ سلیماں سے نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو
پیشِ اربابِ ہمم یہ دست زیرِ سنگ ہے

سودا

۱۲۲۔ حالی اور اس کی شاعری

میں بھی ہوں حسنِ طبع پر مغرور — مجھ سے الجھیں گے ان کے ناز ضرور

خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ — مجھ سے برتر ہے میری طبعِ غیور

خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے — میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور

نہ گنو اہلِ عصر میں مجھ کو — میں بہت کھنچتا ہوں آپکو دور

چشمۂ آبِ خضر کی مانند — چشمِ اہلِ جہاں سے ہوں مستور

دل سے داد اپنی لے چکا ہوں بہت — مجھ کو پروا نہیں کہ ہوں مشہور

مثلِ یوسف دکھائے جوہرِ ذات — جن کو بکنا ہو مفت یہاں منظور

جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر — ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور

جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں — اس سے شکوہ نہیں کہ ہے معذور

لذتِ مے سے جو نہ ہو آگاہ — اس کو کیا قدرِ خوشۂ انگور

جس کے آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے — روز روشن ہے یا شبِ دیجور

پہلے ہوگی کسی کو قدرِ ہنر — اٹھ گیا اب جہاں سے یہ دستور

دردِ دل کا بیاں کروں کس سے — بات کوئی نہیں مجھے منظور

سخنِ حق کی داد لوں کس سے — سُن چکا ہوں فسانۂ منصور

ہم نے دیکھی تمیزِ اہلِ نظر — ہم نے دیکھا مذاقِ اہلِ شعور

ہے غرض ان کو صوتِ موزوں سے — نالۂ دل ہو یا نوائے طیور

ہے فقط روشنی سے انکو کام — موم ہو اصل شمع یا کافور

آپ اپنے سخن سے ہوں محظوظ — دلِ اصحاب گو نہ ہو مسرور

ہوں تماشائے شہرِ نابینا — ہے برابر مرا خفا و ظہور

دریکتا ہوں اور رہوں بے آب — ماہِ کامل ہوں اور رہوں بے نور

چشمہ پیدا ہو کارواں تشنہ — بادہ پرزور و انجمن مخمور

اس زمانہ میں وہ غریب ہوں میں — جو وطن سے ہو لاکھ منزل دُور

کاش اس عہد میں مجھے پاتے — تھا سخن جب کہ قبلۂ جمہور

کون سمجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز — انوری ہے نہ عرفی و شاپور

کون دیکھے مرے چمن کی بہار — مرگیا عندلیب نیشا پور

جس سے ہوتا ہے خستہ سینۂ ہوش — ہے زباں میری وہ دمِ ساطور

جس سے ہوتا ہے کور پروانہ — ہے مری شمع میں وہ لمعۂ نور

لوں زمانے سے دادِ حسنِ کلام — گر لکھوں نعت سرورِ جمہور

کرنے جاؤں جو حق سے عذرِ گناہ
لے کے آؤں نویدِ عفوِ قصور

حالی

ادب عالیہ

جلد چہارم

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب اُن سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکرگزاری ہوگا۔

۱. احسن لکھنوی ۔ سید مہدی حسن صاحب

ولادت   وطن لکھنؤ

صفحہ

۲. اسمٰعیل ۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء   وطن میرٹھ   وفات ۱۹۱۷ء   مدفن میرٹھ

۳. اعجاز. اعجاز حسین بی اے.

ولادت   وطن انبالہ

(۱۱) زمزمۂ نشاط . .. .

۴. توفیق. سید جلال الدین صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۸۱ھ وطن حیدر آباد وفات ۱۳۳۵ھ مدفن حیدر آباد

(۴۶) درد فراق

۵. حالی. خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

(۱۲۲) حالی اور اس کی شاعری .. ..

۶. حسرت. سید فضل حسن صاحب

ولادت   وطن موہان

(۹) دل .. ..

(۱۴) آداب عشق .. ..

(۱۷) رموز عشق

(۲۰) نظر

(۲۱) آنکھیں

(۲۶) کیا کروں

(۲۷) وارفتگی

(۳۴) انتظار

(۳۵) اشتغال محبت

(٥٢) بے زبانی .. ..

(٦٥) انجام فراق .. ..

(٨٨) حسرت .. ..

(٨٩) ہم .. ..

(٩٠) خدا حافظ .. ..

(٩١) تمنّا .. ..

(٩٢) صلاح .. ..

(٩٣) میرے لئے ہے .. ..

(٩٤) ہنوز .. ..

(٩٥) رہنے دے .. ..

(٩٦) اضطراب .. ..

(٩٧) نہ ہوا .. ..

(٩٨) حرص .. ..

٧. سرور جہان آبادی۔ منشی درگا سہائے آنجہانی

ولادت   وطن دہلی   وفات   مدفن

(١٠٨) یادِ ویرانہ .. ..

٨. سودا - مرزا محمد رفیع مرحوم

ولادت ١١٢٥ھ وطن دہلی وفات ١١٩٥ھ مدفن لکھنؤ

(١) اسرار محبت .. ..

(٢) دل .. ..

(۴۸) نہ کھلا .. ..

(۴۹) اچنبا .. ..

(۵۰) حیرانی .. ..

(۸۷) عبرت .. ..

(۱۰۰) تڑاق پڑاق .. ..

(۱۰۱) کیا جانے کیا ہے .. ..

(۱۰۲) یہ اور وہ .. ..

(۱۰۵) پھر کیا ہے .. ..

۱۲. عالی . محمد اسمٰعیل خانصاحب خورجوی

ولادت وطن خورجہ

(۹۹) باتیں .. ..

۱۳. چشتی . عبدالرشید چشتی صاحب مرحوم

ولادت وطن لاہور وفات ۱۹۰۷ء مدفن لاہور

(۱۱۴) سپوت بیٹا

۱۴. غالب . مرزا اسداللہ خاں صاحب مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دہلی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلی

(۲) طائرِ دل .. ..

(۱۰۹) ہوگئیں

۱۵. قائم . قیام الدین صاحب مرحوم

ولادت وطن چاندپور وفات مدفن

(۱۱) جذبِ عشق .. ..

(۷۵) شکوہ .. ..

(۸۶) افسردگی .. ..

(۸۲) پراگندگیِ احباب .. .. ..

۱۶ محروم۔ منشی تلوک چند صاحب

ولادت ۱۸۸۷ء وطن عیسیٰ خیل (پنجاب)

(۷۶) سوزِ دل .. ..

۱۷۔ محسن کاکوروی۔ مولوی محمد محسن صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۴۲ھ وطن کاکوروی وفات ۱۹۰۵ء مدفن مین پوری

(۱۰) سراپائے عشق .. ..

(۷۰) وحشت .. ..

۱۸۔ مصحفی۔ شیخ غلام ہمدانی صاحب

ولادت وطن امروہہ وفات ۱۲۴۰ھ مدفن

(۱۸۱) مصحفی کی معذرت

(۱۱۹) شکایتِ کم قدری

(۱۲۰) شاعری کی گت

۱۹۔ ممنون۔ میر نظام الدین صاحب مرحوم

ولادت وطن دہلی وفات مدفن

(۱۹) نظر .. ..

۲۳. فاظر.

ولادت وطن

(۲۵) جوش جنوں .. ..

۲۴. نصیر. شاہ نصیر صاحب مرحوم

ولادت وطن دہلی وفات مدفن دہلی

(۷۴) دل کی لگن .. ..

(۱۰۴) اور ہے .. ..

۲۵. نظیر. شیخ ولی محمد صاحب مرحوم

ولادت وطن اکبرآباد وفات مدفن آگرہ

(۱۲) لیلیٰ مجنوں کا بچپن .. .. ..

(۱۳) لیلیٰ مجنوں مجنوں کا مکتب .. .. ..

۲۶. نیاز

ولادت وطن

(۱۸) نامرادی .. ..

۲۷. نیرنگ. سید غلام بھیک صاحب

ولادت وطن انبالہ

(۷۷) توجہِ دوست .. ..

۲۸. وحید

ولادت وطن دہلی

(۱۰۹) ہوگئیں .. ..

۲۹۔ ولی دکنی۔ ولی الدین صاحب مرحوم

ولادت   وطن احمد آباد   وفات   مدفن

(۴۲) ایمائے الفت ۔ " " "

۳۰۔ ھوس۔ مرزا محمد تقی خاں صاحب مرحوم

ولادت   وطن لکھنؤ   وفات   مدفن

(۱۸) رموز محبت " " " "

(۳۸) پیام عاشق " " " "

(۴۹) یار کی رخصت " " ۔ "

(۵۴) تم کو کیا ۔ " ۔ "

(۱۹) جدائی " " " "

(۳۴) ہجر ۔

(۵۸) بے ثباتی ۔ ۔

۳۱۔ عو

(۱۶) پھول اور پیام "

(۸۳) افسردہ دل

(۱۱۴) پیام

Read by Mr Shahzada Ayaz Qadri Aijaz

Lo. [illegible]

[illegible]